عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ

طلوعِ اسلام

ایک اسلامی مجلہ

ستمبر ۱۹۳۸

ایک روپیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی حیات اجتماعیہ کا ماہوار مجلہ

طلوع اسلام

۱۰ اے رام باغ روڈ

مرتب
محمد یونس

بدل اشتراک
سالانہ ۔ دس روپے
ششماہی ۔ چھ روپے
خرچ رجسٹری سالانہ دو روپے چار آنے

جلد ۱ نمبر ۹

قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

فہرست

مرد مسلمان	۲
لمعات	۳
خدا اور رسول کی اطاعت (جناب پرویز)	۱۷
کلام اکبر (الہ آبادی مرحوم)	۴۰
ملت میں پارٹیوں کی ضرورت نہیں	۴۱
آزاد پاکستان کی عید	۵۳
مجاہد ابوسعید فضل الٰہی مدظلہ	۵۷
علاج الامراض (ڈاکٹر عبدالحمید صاحب)	۶۳
نقد و نظر	۷۱
باب المراسلات	۷۸

مردِ مسلمان

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان!
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان!
ہمسایۂ جبریلِ امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن، نہ بخارا نہ بدخشان!
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن!
قدرت کے مقاصد کا عیار اسکے ارادے
دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان!
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم!
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان!
فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن!

بنتے ہیں مری کارگہِ فکر میں انجم
لے اپنے مقدّر کے ستارے کو تو پہچان!

(اقبالؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

ہندوستان کی تحریک آزادی میں ہندوؤں کا دعویٰ یہ تھا کہ اس ملک میں بسنے والے تمام لوگ، بلا تخصیص مذہب و ملت، ایک قوم کے افراد ہیں۔ اس لئے یہاں ایک قومی حکومت قائم کرنی چاہیئے جو جمہوریت کے اصولوں پر کارفرما ہو۔ بعض مسلمان بھی ایسے تھے جو اس نظریۂ "متحدہ قومیت" میں ہندوؤں کے ہم نوا تھے۔ انہیں نیشنلسٹ مسلمان کہا جاتا تھا۔

دوسری جماعت مسلم لیگ کی تھی جس کا ادعا یہ تھا کہ مسلمانوں کے نزدیک قومیت کا مدار اتحادِ وطن نہیں بلکہ مذہب ہے۔ تمام مسلمان، بہ حیثیت مسلمان، ایک جداگانہ قوم کے افراد ہیں اس لئے وہ کسی دوسرے مذہب کے پیروؤں کے ساتھ مل کر متحدہ قوم نہیں بن سکتے۔ ہندوستان میں نظامِ جمہوریت کے معنی یہ ہوں گے کہ یہاں اکثریت کی حکومت ہو۔ اور اکثریت چونکہ ہندوؤں کی ہے، اس لئے آزادئ ہند سے مفہوم ہوگا ہندوؤں کی حکومت اور مسلمانوں کی محکومیت۔ ان کے نزدیک اس گتھی کا عملی حل یہ تھا کہ ہندوستان کے ان علاقوں کو جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، الگ کر کے مسلمانوں کی جداگانہ حکومت قائم کی جائے۔ یہ تقسیم ہند کا نظریہ تھا جس کی مخالفت ہندو اور ان کے ہم نوا مسلم نیشنلسٹ حضرات کرتے تھے۔

دورانِ تحریک میں ایک تیسری آواز اٹھی جس نے یہ کہا کہ بیشک مسلمان، ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایک متحدہ قوم نہیں بن سکتے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمان، محض پیدائشی مسلمان ہیں جن کا مسلمان ہونا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ انہیں پہلے سچے معنوں میں مسلمان ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد آزادی کے طالب۔ پیدائشی مسلمان، انگریز یا ہندو کے غلام رہیں تو کیا اور اپنی الگ حکومت قائم کرلیں تو کیا۔ ان کی آزادی صحیح معنوں میں آزادی اُسی صورت میں کہلا سکتی ہے جب یہ اپنے اندر اسلامی صفات پیدا کریں۔ اس نظریہ کے مدعیان نے اپنے آپ کو "اسلامی جماعت"[1] کے نام سے متعارف کرایا۔

طلوع اسلام اس حد تک اسلامی جماعت کے ساتھ ہم نوا تھا[2] کہ مسلمان صرف اسی صورت میں آزاد کہلا سکتا

---

[1] سطور پیش نظر میں اس جماعت کے اس مسلک سے بحث کی جائے گی جو اس نے تحریک آزادی کے ضمن میں اختیار کیا تھا۔ ان کے دینی موقف کے متعلق ہم عند الضرورت پھر کبھی گزارش کریں گے۔

[2] طلوع اسلام، اسلامی جماعت کے وجود میں آنے سے بہت پہلے اس مسلک کی اشاعت کر رہا تھا۔

جب یہ اپنی مملکت میں خدا کا قانون رائج کرے۔ لیکن اس کا مسلک یہ تھا کہ خدا کے قانون کو رائج کرنے کے لئے کسی خطۂ زمین کی ضرورت ہے۔ جب تک ہم ہندوستان میں کسی خطۂ زمین کے مالک نہیں بن جاتے اس وقت تک حکومت خداوندی کے قیام کا امکان نہیں۔ لہٰذا مسلم لیگ کی تحریک تقسیم ہندوستان کو کامیاب بنانے کے لئے ہمیں پوری پوری کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ اس کی کامیابی سے ہمیں وہ امکانی قدرت حاصل ہو جائے گی جس سے اس زمین پر آسمان کی بادشاہت کا تخت اجلال بچھ سکے۔ اگر ہم نے اس وقت تغافل برتا تو انگریز پورا ہندوستان ہندوؤں کے سپرد کر دیگا جس سے ہمیں یہ امکانی قدرت حاصل نہ ہو سکے گی۔ ہمیں مسلم لیگ کی اس سیاسی تحریک کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو قرآن کے قریب لانے کی کوشش بھی جاری رکھنی چاہیئے۔

لیکن "اسلامی جماعت" کے نزدیک یہ مسلک قابل قبول نہ تھا۔ وہ "پیدائشی مسلمانوں" کے قومی اور اجتماعی مطالبات سے ہم آہنگی اور تعاون کو اسی طرح تعاون علی الاثم والعدوان (گناہ اور سرکشی کے معاملات میں تعاون) سمجھتی تھی، جس طرح مرزائی حضرات مسلمانوں سے روابط قائم کرنے میں کفر و فسق محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ اس جماعت نے اپنے آپ کو مسلمانوں کی اس تحریک سے عملاً الگ رکھا۔ اور دوسروں کو اس سے الگ رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ ان کا یہ طرز عمل، مسلمانوں کی اس اجتماعی تحریک کے لئے "نیشنلسٹ مسلمانوں" سے بھی کہیں زیادہ ضرر رساں تھا۔ اس لئے کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کے نظریۂ متحدہ قومیت کا بودا پن عوام کو بآسانی نظر آجاتا تھا لیکن ان کا یہ انداز گفتگو کہ "جب تک مسلمان اپنے آپ کو سچے معنوں میں مسلمان نہیں بنا لیتا۔ جب تک یہ اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں نہیں رنگ لیتا۔ اُس وقت تک اُنہیں کوئی فوز و فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کے قومی لیڈروں کو دیکھو! ان میں کوئی اسلامی خصوصیت نظر نہیں آئے گی۔ ان کا فکر مغربی ٹکسالوں میں ڈھلا ہوا۔ ان کا عمل کفار اور مشرکین سے ملتا ہوا۔ کون سچا مسلمان ہے جو ان کی قیادت میں چلنا اپنے لئے باعث فخر سمجھے گا؟ اگر مسلمان اپنے اندر قوتِ ایمان پیدا کرلے گا تو دنیا کی کوئی قوت اسے محکوم نہیں بنا سکے گی۔ لہٰذا ان ہنگامی تحریکوں کو چھوڑ دو اور مسلمان بننے کی کوشش کرو" عوام پر اپنا اثر کر جاتا تھا اور وہ بھول جاتے تھے کہ اس دلیل اور اس نتیجہ میں جس تک یہ جماعت ہمیں پہنچاتی ہے۔ کوئی ربط نہیں۔

بہر حال۔ وہ دور ختم ہوا اور نیشنلسٹ مسلمانوں کے نظریۂ متحدہ قومیت اور اسلامی جماعت کے مسلک اعتزال کے باوجود، مسلمانوں کو ایک خطۂ زمین مل گیا جس میں انہیں اپنے انداز فکر کے مطابق حکومت قائم کرنے کے امکانات حاصل ہو گئے۔ تقسیم ہند سے پہلے، اسلامی جماعت کا مرکز اُس علاقہ (پٹھانکوٹ) میں تھا جو تقسیم کی رو سے ہندوستان میں چلا گیا۔ لیکن دیکھنے والوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ ان حضرات کو بھی وہاں کہیں پناہ نہ مل سکی اور انہیں اپنی حفاظت کے لئے اسی سرزمین کی طرف

جا گناہ تھا جس کے حصول کی جد و جہد سے تعاون و اشتراک عمل کو یہ اتنا بڑا گناہ قرار دیا کرتے تھے۔ ہم خیال کرتے تھے کہ خیر اب تو یہ لوگ اس حقیقت کا اعتراف کریں گے کہ تقسیم ہند کی تحریک ایسی شجر ملعونہ نہ تھی جیسی یہ لوگوں کو بتایا کرتے تھے اور جس سے احتراز و اجتناب عین خدمت اسلامی قرار دیا کرتے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس اعتراف کی انہیں اب بھی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ انہیں اس حقیقت کا اعتراف مجبوراً کرنا پڑ رہا ہے کہ:-

"۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے تک اس ملک کے رہنے والے خود مختار نہ تھے۔ لیکن ۱۵ اگست کے بعد ہمارے ملک کی صورت حال بالکل بدل گئی ہے۔ اب اس ملک کے لوگ اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کرنے میں پوری طرح مختار ہیں"

(رسالہ ترجمان القرآن - بابت جولائی ۱۹۴۸ء - صفحہ ۱۵)

بلکہ اس سے بھی واضح تر الفاظ میں۔

"ہم اس برعظیم ہند میں پچھلے دس سال سے اس بات پر لڑتے رہے ہیں کہ ہم اپنی ایک مستقل تہذیب، الگ نظریہ زندگی، اور مخصوص آئین حیات رکھتے ہیں۔ ہمارے لئے مسلم و غیر مسلم کی ایک ایسی متحدہ قومیت ناقابل قبول ہے جس کا نظام زندگی لامحالہ ہمارے آئین حیات سے مختلف ہوگا۔ ہمیں ایک الگ خطۂ زمین درکار ہے جس میں ہم اپنے آئین پر زندگی کا نظام بنا اور چلا سکیں۔ ایک طویل اور ان تھک کشمکش کے بعد بالآخر اب ہمیں وہ خطۂ زمین مل گیا ہے جس کا ہم مطالبہ کر رہے تھے۔" (ایضاً صفحہ ۱۶)[1]

لیکن اس کے باوجود، ان کی زبان سے آج تک اس اتنی بڑی تبدیلی پر، نہ خدا کی بارگاہ میں اظہار تشکر و امتنان کے لئے ایک جملہ نکل سکا ہے، اور نہ مسلمانوں کی اس جد و جہد کی تعریف میں ایک لفظ۔ ان کی پیشانیاں ابھی تک مسلمانوں کے خلاف اظہار نفرت میں شکن آلود اور ان کی نگاہیں غضب آلود ہیں۔

تقسیم ہند کے وقت، ہمارے اکابرین سے تدبر و سیاست کی بعض غلطیاں ہو گئیں جن کے نتائج بڑے ضرر رساں ثابت ہوئے۔ طلوع اسلام اپنی پہلی اشاعت (کراچی) سے اس وقت تک ان غلطیوں کو

---

[1] اس ٹکڑے میں "ہم" اور "ہمیں" کے الفاظ قابل غور ہیں۔ "ہم لڑ رہے تھے"۔ "ہمیں ایک الگ خطہ زمین درکار تھا"۔ "ایک طویل اور ان تھک کشمکش کے بعد بالآخر" "ہمیں" "وہ خطہ زمین مل گیا ہے جس کا "ہم" مطالبہ کر رہے تھے"۔ یہ ان کی طرف سے ہے جو اس مطالبہ کو لغو، اس جد و جہد کو مذموم اور اس کے حصول کو شجرۃ الزقوم قرار دیا کرتے تھے۔

بار بار گنا رہا ہے۔ اور ذمہ دار ارکان اقتدار کو مسلسل متنبہ کر رہا ہے کہ ان کا پھر اعادہ نہ ہونا چاہیئے۔ نیشنلسٹ مسلمان ان نتائج و عواقب کو تقسیم ہند اور جداگانہ قومیت کے نظریوں کا نتیجہ قرار دے کر انہیں اپنے مسلک کی حقانیت کے جواز میں بطور دلیل پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ اگر میدان جنگ میں حربی تدبر کی کسی غلطی سے فوج کو نقصان اٹھانا پڑے تو یہ اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ جس مقصد کے لئے وہ فوج میدان جنگ میں آئی تھی، وہ مقصد باطل تھا۔

لیکن نیشنلسٹ مسلمانوں سے کہیں زیادہ حیرت انگیز مسلک "اسلامی جماعت" کا ہے۔ یہ اس جدوجہد کے ماحصل کو ایک بہت بڑی تبدیلی بھی قرار دے رہے ہیں، لیکن سال گزشتہ کے نقصانات کو اس مسلک کے بطلان کے لئے بطور دلیل بھی پیش کر رہے ہیں جس کا نتیجہ اتنی بڑی تبدیلی ہے اور جس سے ہمیں حکومت خداوندی کے قیام کی امکانی قدرت حاصل ہو گئی ہے۔ آپ جون اور جولائی ۱۹۴۸ء کا ترجمان القرآن دیکھئے (کہ اس کے اسوقت تک یہی دو نمبر شائع ہوئے ہیں)۔ اس تحریک کے خلاف پورا زہر اگلا ہوا دکھائی دے گا۔

اور آگے بڑھیئے۔ طلوع اسلام کی اولیں اشاعت سے لیکر آجتک، کسی پرچہ کو دیکھئے۔ اس میں قرآنی نظام حکومت کے قیام کا مطالبہ نہایت شد و مد سے کیا جا رہا ہے۔ یہ کسی پر احسان نہیں۔ طلوع اسلام نے پہلے دن سے یہی مسلک اختیار کیا (کیونکہ یہ اس مسلک کو قرآن کی روشنی میں مسلک حق پرستی سمجھتا تھا) اس نے اگر مسلم لیگ کی تحریک تقسیم ہند کی تائید و اعانت کی تھی تو بھی اسی مقصد کے پیش نظر۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ، طلوع اسلام نے اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا کہ ان مطالبات میں کوئی حرکت ایسی نہ ہونے پائے جس سے استحکام پاکستان میں کسی قسم کی کمزوری واقع ہو جائے کہ اگر یہ زمین ہی نہ رہی تو قرآنی حکومت قائم کہاں ہوگی۔ لیکن اس کے برعکس یہی مطالبہ "اسلامی جماعت" کی طرف سے پیش ہو رہا ہے لیکن خالص گروہ بندی اور جماعت سازی کے انداز سے جس سے مسلمانوں میں تشتت و انتشار پیدا ہو اور یہ اس طرح باہمی جھگڑوں میں الجھیں کہ ان کی ساری قوتیں تخریب میں ضائع ہو جائیں۔

اگر "اسلامی جماعت" اپنے مسلک کی حقانیت پر یقین رکھتی ہے تو ہمارے نزدیک ان کے لئے مستقبل کا لائحہ عمل بالکل واضح ہے۔ ان کا ارشاد ہے:۔

> دس سال پہلے مسلمانوں کے سامنے یہ سوال آیا تھا کہ وہ ہندو امپیریلزم کے تسلط سے اپنے آپ کو کیسے بچائیں۔ اس سوال کا ایک حل یہ پیش کیا گیا تھا کہ اسلام کے اصولوں اور اسلامی سیرت کی طاقت سے اس خطرے کا مقابلہ کیا جائے۔ مگر اس حل نے مسلمانوں کو اپیل نہ کیا اور وہ اسے آزمانے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ اب یہ بحث بیکار ہے کہ اسے آزمایا

جاتا تو کیا ہوتا۔ دوسرا حل جو پیش کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ قومیت کی بنیاد پر سیاسی جنگ لڑی جائے۔ اس حل کو مسلمانوں نے قبول کیا اور اپنی ساری قومی طاقت، اپنے تمام ذرائع اور اپنے جملہ معاملات اس قیادت کے حوالے کر دیئے جو ان کے قومی مسئلہ کو اس طرح حل کرنا چاہتی تھی۔ دس برس کے بعد اس کا پورا کارنامہ ہمارے سامنے ہے اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس نے کس طرح، کس صورت میں ہمارے مسئلہ کو حل کیا۔ جو کچھ ہو چکا ہے وہ اٹل ہے اب اسے بدلا نہیں جا سکتا۔ اس پر اس حیثیت سے تو بحث بیکار ہے کہ یہ نہ کیا جاتا تو کیا ہوتا۔ البتہ اس حیثیت سے اس پر بحث کرنا ضروری ہے کہ جو مسائل اب ہمیں درپیش ہیں کیا ان کے حل کے لئے بھی وہی قیادت موزوں ہے جو ہمارے قومی مسئلہ کو اس طرح حل کر چکی ہے؟ کیا اس کا اب تک کا کارنامہ یہی سفارش کرتا ہے کہ اب جو بڑے بڑے اور نازک مسائل ہمارے سر پر آ پڑے ہیں جن کا بیشتر حصہ خود اسی قیادت کی کارفرمائیوں کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے انہیں حل کرنے کے لئے ہم اس پر اعتماد کریں؟

(ترجمان القرآن بابت جولائی ۱۹۴۷ء۔ صفحہ ۱۳۸)

یعنی ایک مسلک وہ تھا جو آزمایا جا چکا ہے اور جس کے "تباہ کن" نتائج آج قوم کے سامنے ہیں۔ دوسرا مسلک وہ تھا جسے انہوں نے پیش کیا اور قوم نے اسے اختیار نہ کیا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اسے اختیار کر لیا جاتا تو مسلمان بغیر کسی نقصان کے ہندو امپریلزم کے خطرے سے بچ جاتا۔ بہت اچھا۔ پاکستان کے مسلمانوں نے آپ کی نہ سنی اور اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کو ہندوؤں کی امپریلزم سے بچانے، کا سوال تو اب بھی ہمارے سامنے ہے۔ وہ پانچ کروڑ مسلمان "جنہوں نے انتہائی بے بسی کی حالت میں ایک مفتوح اور شکست خوردہ قوم کی حیثیت سے اپنے آپ کو اچانک ان ہندوؤں اور سکھوں کے چنگل میں پایا جن کے ساتھ وہ چند روز پہلے دو بدو لڑ رہے تھے" (ترجمان القرآن۔ صفحہ ۵۳) اب ہندو امپریلزم کے تسلط میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کے پاس کوئی ایسا پروگرام ہے جس سے وہ اس امپریلزم کے چنگل سے چھوٹ سکتے ہیں تو بسم اللہ کیجئے۔ جائیے اور ہندوستان کو اس مسلک کی تجربہ گاہ بنائیے، جسے پاکستان کے مسلمانوں نے ٹھکرا دیا۔ ہندوستان کے مظلوم و مقہور مسلمانوں کی بھی آپ پر ویسی ہی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جیسی پاکستان کے مسلمانوں کی۔ بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ۔ آپ کا تجربہ کامیاب ہو گا تو وہاں کے مسلمان اپنی مصیبتوں سے نجات پا جائیں گے۔ اور پاکستان کے مسلمان آپ کے مسلک کی حقانیت کے خود بخود قائل ہو جائیں گے اور اس قیادت کو آپ کے قدموں میں ڈال دیں گے۔ جس کی "کارفرمائیوں" کے نتائج وہ اس بری طرح سے بھگت رہے ہیں۔

[یہ "قیادت" بھی مسلمانوں کے حق میں کتنی بڑی قیامت بن گئی ہے۔ مبصرین کا خیال ہے کہ اگر

۱۹۳۱ء میں، ابو الکلام صاحب آزاد کو "امام الہند" بن لینے دیا جاتا تو وہ کبھی نیشنلزم کا وہ فتنہ برپا نہ کرتے جس نے قوم کو اس طرح سے تباہ و برباد کیا۔ اور اگر علامہ مشرقی کو قائد اعظم تسلیم کر لیا جاتا تو وہ کبھی اتنے بڑے قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا کر نہ رکھ دیتے!)

شرعی نظام حکومت کا مطالبہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ اگر "اسلامی جماعت" یہاں نہ رہی تو اس کا پیش کرنے والا بھی کوئی نہ رہے گا۔ پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت یہی چاہتی ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ یہ آئینی تبدیلی عملاً کس طرح سے ہو۔ لوگ اس کے لئے بھی سوچ رہے ہیں اور کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیں گے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں کی مصیبتوں کا حل سر دست ان کے پاس نہیں۔ اور جو حل یہ سوچیں گے وہ بزعم آپ کے، پھر غلط ہو گا۔ اس لئے اسلامی جماعت کے جذبۂ اسلام کا اولین تقاضا یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اس مصیبت عظمیٰ سے بچائیں۔ یہ آپ کا ان پر بھی احسان ہو گا، اور پاکستان کے مسلمانوں پر بھی۔ اور وہاں ابھی تک کوئی ایسی قیادت بھی مسلط نہیں ہوئی جسے توڑنا مشکل ہو۔ یہ کام پاکستان میں رہ کر نہیں ہو سکتا۔ ایک تو بعد مسافت کی وجہ سے تبلیغی مشکلات۔ دوسرے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس سے ہندوستان اور پاکستان کی مملکتوں میں خواہ مخواہ تصادم پیدا ہو جائے۔ اسلامی جماعت کا مرکز ہندوستان ہی میں ہونا چاہیئے اور وہی خطہ اس کی سرگرمیوں کی جولانگاہ۔ پاکستان کے مسلمانوں کو سر دست ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ آپ نے خود ہی تو فرمایا ہے کہ جو مسلک آپ نے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا تھا،

> یہ وہی بات تھی جو نبی ﷺ مکہ میں قریش کے لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ میں وہ کلمہ لیکر آیا ہوں کہ اگر تم اسے لے لو تو عرب و عجم سب تمہارے زیر نگیں ہو جائیں گے۔ لیکن مسلمانوں نے اس مشورہ میں وہی خطرہ محسوس کیا جو قریش نے محسوس کیا تھا کہ ان نتبع الھدیٰ معک نتخطف من ارضنا یعنی اگر ہم اس راہ عمل کو اختیار کر لیں تو اس سرزمین میں ہمارا کوئی ٹھکانا نہ رہے گا۔ (ترجمان القرآن۔ جولائی ۱۹۴۸ء صفحہ ۱۳)

آپ بھی پاکستان کے قریش سے ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف ہجرت فرما جائیے اور وہاں اپنے تجربہ کو کامیاب بنا کر، پھر پاکستان کی طرف مراجعت فرما کر اسے فتح کر لیجئے۔ اس طرح یہاں بھی آپ کا پیش کردہ مسلک رائج ہو جائے گا۔ اس دوران میں اگر یہاں نظام شریعت رائج نہ بھی ہوا تو بھی یہ مملکت (جماعت اسلامی کے ارکان کے الفاظ میں) ایسی تو رہ جائے گی جیسی افغانستان اور ایران کے مسلمانوں کی حکومتیں ہیں۔ لیکن اگر آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کی خبر نہ لی تو نہ معلوم ان بیچاروں کا کیا حشر ہو۔

---

(۲)

۱۴ر اگست کو پاکستان ریڈیو کراچی سے تقریر نشر کرتے ہوئے محترم لیاقت علی خاں نے ان گونا گوں

مشکلات کی طرف اشارہ کیا جن سے مملکت پاکستان دوچار ہے، اور فرمایا:۔

> اہم ترین مشکل جو ہمیں پاکستان میں درپیش ہے، ایسے عناصر کی موجودگی ہے جن کا مقصد افتراق پیدا کرنا ہے۔ ان خود غرض اور گمراہوں نے نزاکت وقت کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے اور ایسی فضا پیدا کرنے کے درپے ہوگئے ہیں جو نوخیز مملکت پاکستان کو اگر ختم نہ کر سکی تو بڑی حد تک درماندہ ضرور کر دے گی۔ ایسے لوگ واقعی پاکستان کے بدترین دشمن ہیں۔ یاد رکھئے کہ ہم میں سے وہ لوگ جو اس طرح درپے تخریب ہیں ان کی ہمدردیاں بیرونی لوگوں کے خطرناک عزائم کی بہ نسبت ہمارے لئے خطرناک تر ہیں۔ لہٰذا میں پاکستانیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ایسے لوگوں کی نقصان رساں سرگرمیوں سے ہوشیار رہیں:

سب سے پہلے قائداعظم نے ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ میں تقریر فرماتے ہوئے اس خطرہ کی طرف ملک و ملت کی توجہ دلائی۔ عین اسی تاریخ کو کراچی میں محترم غلام محمد صاحب وزیر مالیات، نے اس قسم کے دشمنان پاکستان کا تذکرہ کیا۔ ۱۳ اپریل کو محترم لیاقت علی خاں نے عنصر تخریب (ففتھ کالم) کا ذکر فرمایا۔ ۱۴ اگست کو وزیر اعظم صاحب نے پھر ملت کو متنبہ کرنا ضروری سمجھا۔ ہم متعجب ہیں کہ اس "اہم ترین مشکل" کا صرف اسی قدر حل کیوں سمجھا جا رہا ہے کہ بعض موقعوں پر اس کا ذکر چھیڑ دیا جائے اور بس۔ اشاروں اور کنایوں سے ملت کو ہوشیار کرنا تدبر کا اعلیٰ نمونہ نہیں ہو سکتا۔ ارباب حکومت نے اب تک ملک و ملت کو یہ نہیں بتایا کہ ایسے دشمنان ملک و ملت کون ہیں؟ وہ کیا کر رہے ہیں؟ خود حکومت ان کے استیصال کے لئے کیا کر رہی ہے؟ اور ملت کیسے ان کے دام فریب کا شکار ہونے سے بچ سکتی ہے؟ ارباب حکومت گذشتہ پانچ ماہ سے اس خطرے کی گھنٹی بجائے چلے آ رہے ہیں، لیکن وہ ان ضروری امور سے بدستور خاموش ہیں۔

طلوع اسلام نے بہت پہلے، یعنی مارچ کی اشاعت میں "محاسبہ نفس" کے تحت حکومت کی توجہ ان مارہائے آستین کی طرف منعطف کرائی تھی جو دفاتر میں مختلف کرسیوں پر متمکن ہیں، اور پاکستان کا نظام درہم برہم اور ملت کے حوصلوں کو پست کرنے میں منہمک ہیں۔ اس کے بعد قائدین کی محولہ بالا تقریروں پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم نے اس پر مزید زور دیا تھا اور ان سے التماس کی تھی کہ وہ عوام کا اعتماد حاصل کریں۔ ان کی جائز شکایات کا مداوا کریں تاکہ دشمنان پاکستان کی سازشیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ لیکن ہمیں یہ دیکھ کر قلبی اذیت ہوتی ہے کہ اب تک اس سے متعلق محض باتیں ہو رہی ہیں۔ غالباً جشن آزادی کے ہنگامی جوش میں خود وزیر اعظم نے تقریر کو مکمل بنانے کے لئے دشمنان ملک کا تذکرہ ضروری سمجھا۔ اگر واقعی ہم میں دشمن اور غدار موجود ہیں۔ اور یقیناً موجود ہیں، تو ہم وزیر اعظم صاحب سے بصد ادب پوچھتے ہیں کہ تشخیص مرض کے بعد انہوں نے مرض کا کیا علاج سوچا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ صرف تشخیص کو ہی بجائے خود علاج سمجھ لیا گیا ہے۔

ہم نے جون کی اشاعت میں لکھا تھا۔

ان حالات کے پیشِ نظر ایک عام انسان بہرحال اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ

(۱) یا تو جو کچھ ان حضرات نے آج تک اس باب میں کہا ہے۔ وہ غلط تھا۔

(۲) اور اگر وہ صحیح تھا تو اس فتنہ کے استیصال کے لیئے کوئی عملی قدم نہ اٹھانا تخریبِ پاکستان کے جرم عظیم کی کھلی ہوئی معاونت ہے۔ جس کے مرتکب خود ارباب حکومت ہو رہے ہیں۔

کیا ہم اتنا دریافت کر سکتے ہیں کہ ان دونوں شقوں میں سے کونسی شق درست ہے؟

یہ سوال جو جون میں اٹھایا گیا تھا، بدستور جواب طلب ہے۔ ہم پھر اسے دہراتے ہیں اور حکومت سے جواب کا مطالبہ کرتے ہیں۔

---

(۳)

سابقہ اشاعت میں "قوم پوچھتی ہے" کے عنوان سے ہم نے ان بیانات پر تبصرہ کیا تھا جس کی طرح محترم غلام محمد وزیر مالیات نے لندن میں ڈالی اور جن میں بعد از تقسیم مسلمانوں کے قتل عام کا ذمہ دار لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو قرار دیا گیا۔ ہم نے ارباب بست وکشاد کے اقوال واعمال کا محاسبہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

شاید اس نے (مسلم لیگ نے) بھانپ لیا ہو کہ جو خطرہ قوم کو پیش آنے والا ہے وہ قیام پاکستان کے مقابلہ میں زیادہ وقیع نہیں۔ اس نے یہی فیصلہ کیا ہوگا کہ سودا زیادہ مہنگا نہیں۔ لیکن جب واقعی قیمت ادا کرنی پڑی تو اس وقت آپکو احساس ہوا کہ سودا مہنگا ہے اور قیمت جنس کے مقابلہ میں زیادہ دینی پڑی ہے۔ چنانچہ اب بعد از مرگ واویلا کیا جا رہا ہے۔

ہم نہیں چاہتے تھے کہ ہمارا مندرجہ بالا قیاس صحیح ثابت ہو۔ کیونکہ ہم اپنے قائدین کو اس سطح پر نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن دیکھئے یہ اندازہ کس قدر صحیح نکلا۔ محترم وزیر اعظم نے ۱۴ اگست کی نشری تقریر میں اس کی یوں تصدیق فرمائی:۔

عام طور پر پوچھا جاتا ہے کہ مسلم لیگ نے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کیوں قبول کی جب وہ جانتی تھی کہ اس کے کیا نتائج نکلنے والے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہم سے یہ کہا گیا تھا کہ اگر ہم نے صوبائی تقسیم قبول نہ کی تو ہمیں پاکستان نہیں ملے گا۔ اگر ہم نے (یہ) پاکستان قبول نہ کیا ہوتا تو اس کے نتائج اتنے خطرناک ہوتے کہ

مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے :

گویا مسلمانوں پر جو قیامت سال گذشتہ گزری ہے اس سے کہیں بڑی قیامت ان پر گزرتی اگر ارباب مسلم لیگ پاکستان کو موجودہ شکل میں قبول نہ کرتے۔ اس کا مطلب واضح ہے۔ مسلمانوں کے قتل عام کی قیمت سوچ سمجھ کر متعین کی گئی تھی۔ تو پھر یہ واویلا کیوں؟ اس حقیقت کا کھلے بندوں اعتراف کیجئے اور قوم سے کہیے کہ ہم نے یہ سب کچھ جانتے بوجھتے کیا ہے؛ بات صاف ہو جائے گی۔

(۴)

ہندوستان میں جشن آزادی کے موقع پر، جبکہ جامع مسجد دہلی کے سامنے وہاں کے گورنر جنرل مسلمانوں کو یہ یقین دلا رہے تھے کہ انہیں ہندوستان میں ہر قسم کی آزادی حاصل ہے اور، مولانا "آزاد انہیں یہ تلقین فرما رہے تھے کہ انہیں حکومت ہند کا وفاشعار رہنا چاہیئے۔ جبل پور میں، یو۔پی کانگریس کمیٹی کے صدر، اور وہاں کی اسمبلی کے سپیکر، مسٹر ٹنڈن، پینتیس ہزار کے مجمع میں یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ:-

> ہندوستان یونین میں، جداگانہ زبان اور جداگانہ کلچر کی کوئی آواز کہیں سے نہیں نکلنی چاہیئے۔ جو لوگ کسی خاص فرقہ کے لئے جداگانہ زبان یا کلچر کی حمایت کرتے ہوں ان کے لئے ہندوستان میں کوئی جگہ نہیں۔ اگر یہ لوگ اپنا نظریہ نہ بدل سکیں تو انہیں ہندوستان چھوڑ کر کہیں اور چلے جانا چاہیئے۔ مذہب اور کلچر دو مختلف چیزیں ہیں۔ چین، جاپان، اور دیگر ممالک میں بھی مسلمان بستے ہیں۔ نہ ان کی جداگانہ زبان ہے نہ جداگانہ کلچر۔ ان کا کلچر وہی ہے جو ان کی مادر وطن کا کلچر ہے۔ اگر مسلمان ہندوستان میں رہنے کے خواہشمند ہیں تو انہیں ہندی کو بطور زبان، اور ناگری کو بطور رسم الخط اختیار کرنا ہو گا۔ انہیں اپنی تہذیب اور تمدن کے لئے عرب یا پاکستان کی طرف نہیں دیکھنا چاہیئے۔ بلکہ بھارت ورش کے کلچر کو اپنا کلچر بنانا چاہیئے۔ (ہندوستان ٹائمز ۱۶ ستمبر)

یہ ہیں وہ حالات جن کے ماتحت ہندوستان کے چار کروڑ مسلمانوں کو زندگی کے دن پورے کرنے پڑ رہے ہیں۔ لیکن اس کا علاج سوائے پاکستان کی قوت کے اور کچھ نہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ایک انگریز سائبیریا کے میدانوں میں ہو یا افریقہ کے صحراؤں میں، ہمالیہ کی چوٹی پر ہو یا میکسیکو کے جنگلات میں، وہ دنیا کے کسی خطہ اور کسی گوشہ میں ہو، اس کی زبان، اس کا کلچر، اس کی جان، اس کا مال، اس کی عزت، اس کی آبرو، سب کچھ محفوظ ہوتی ہے۔ اس کا راز، اس کی قوم کی قوت میں مضمر ہے۔ لہذا ہندوستانی مسلمانوں کی جان و مال، عزت و ناموس، کلچر اور مذہب کا تحفظ ۔۔ پاکستانی مسلمانوں

کی قوت میں مضمر ہے۔ ہندوستان کا ہندو اگر شرافت اور انسانیت کے تقاضوں کو اس طرح پس پشت ڈال رہا ہے، تو اس کا علاج یہ ہے کہ پاکستان کا ایک ایک فرد سپاہی بن جائے۔ پاکستان کے مسلمان اپنے اندر اتنی عسکری اور تنظیمی قوت پیدا کر دیں کہ ہندو، ہندوستان کے مسلمانوں کی حفاظت میں اپنی حفاظت سمجھے۔

ہم اس حقیقت کا اعلان متعدد بار کر چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا اعلان ابھی کم مرتبہ ہوا ہے کہ یہ وہ حقیقت ہے کہ جسے ہر وقت، ہر مسلمان کے پیش نظر رہنا چاہیئے کہ دنیا میں جو قوم شرفِ انسانیت اور احترامِ آدمیت کا پاس نہ کرے اس کی چیرہ دستیوں سے نوعِ انسان کو محفوظ رکھنے کا علاج، صرف آبِ شمشیر جگر دار میں ہے۔ یہ علاج کچھ ہمارا وضع کردہ نہیں بلکہ اس کا اعلان فرمودہ ہے جو فطرتِ انسانی کا خبیر اور اس کے تقاضوں کا علیم ہے۔ اس نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ ہم نے جہاں دنیا میں قوانین عدل و انصاف کی کتابیں نازل کی ہیں ان کے ساتھ ہی فولاد بھی نازل کیا ہے لیقوم الناس بالقسط (۵۷/۲۵) تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ وہ فولاد کہ فیہ بأس شدید جس میں بڑی طاقت ہے ومنافع للناس اور نوعِ انسانی کے لئے منفعت۔ اور جہاں تک امتِ مسلمہ کا تعلق ہے نزولِ شمشیر سے مقصد یہ ہے لیعلم اللہ من ینصرہ و رسلہ بالغیب (ایضاً) تاکہ اللہ جان لے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی ان دیکھے مدد کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کو انسانوں کی مدد کی کچھ ضرورت نہیں۔ اس لئے اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد سے مطلب یہ ہے کہ اس کے دین کے تحفظ میں مدد دی جائے اور دین کے قیام سے غرض یہ ہے کہ سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون (۲۶/۲۲۷) ظلم کرنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اس زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں وہ پلٹ کر جا سکیں۔ وہ جہاں جائیں گے عدل و انصاف کی میزان ان کے سامنے اور اس میزان میں ان کے اعمال تولنے والوں کی تلوار اُن کے سر پر ہو گی۔ دنیا میں احترامِ آدمیت کا جذبہ صرف ایمان باللہ سے پیدا ہو سکتا۔ اس قسم کے ایمان باللہ سے جس کی وضاحت قرآن نے کی ہے۔ نہ کہ اپنے اپنے تصور کے مطابق خدا پر ایمان سے فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا (۲/۱۳۷)۔ "اگر یہ لوگ اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو، تو اس صورت میں یہ سیدھے راستے پر سمجھے جائیں گے" لہٰذا جو لوگ شرفِ انسانیت اور احترامِ آدمیت کا پاس نہیں رکھتے وہ فی الحقیقت خدا پر ایمان نہیں رکھتے۔ انہی کو قرآن کفار (نہ ماننے والوں) کے نام سے پکارتا ہے۔ اور یہی ہیں وہ لوگ جن کی دراز دستیوں اور فتنہ انگیزیوں سے نوعِ انسانی کو محفوظ رکھنے کے لئے وہ تلوار کے استعمال کی ضرورت سمجھتا اور اس کی اجازت دیتا ہے۔ اُذِنَ للذین یقتلون بانھم ظلموا جن لوگوں پر ناحق ظلم کیا گیا ہے انہیں اجازت دی گئی ہے کہ وہ تلوار سنبھال کر ظالموں کے سامنے صف آرا ہو جائیں وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر۔ یقیناً اللہ ان شمشیر بدست مظلومین کی مدد پر قادر ہے الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا

ان یقولوا ربنا اللہ۔ یہ وہ مظلوم ہیں جنہیں ان کے گھروں سے ناحق باہر نکال دیا گیا، صرف اس جرم کی پاداش میں کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب ہمارا اللہ ہے۔ صرف خدا کا نام لینے کے جرم کی بنا پر انہیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا۔ اگر دنیا میں اس قسم کے ظالموں کا ہاتھ روکنے والا کوئی نہ ہو تو انسانیت کی کوئی قابلِ احترام متاع ان کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔ اگر اللہ دنیا میں ظالموں کے جور و ستم سے مدافعت کا سامان دوسری قوموں کے ہاتھوں سے نہ کراتا رہے تو راہبوں اور خانقاہیں اور گرجے اور عبادتگاہیں اور مسجدیں، جن میں بکثرت اللہ کا نام لیا جاتا ہے، ان میں سے کوئی محفوظ نہ رہے۔ سب گرا دی جائیں۔ لہٰذا وہ جماعتیں جو مظلوموں کے لئے اٹھ کھڑی ہوتی ہیں، اللہ کی نصرت ان کے ہمرکاب ہوتی ہے ولینصرن اللہ من ینصرہ۔ ان اللہ لقوی العزیز (۲۲/۴۰) جو اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے اللہ ضرور اس کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ سب سے زیادہ طاقتور اور سب پر غالب ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا آج ہندوستان کے مسلمانوں سے زیادہ مظلوم اور ہندو قوم سے زیادہ ظالم کوئی اور بھی ہے۔ کیا سال گذشتہ سے لے کر اس وقت تک کے واقعات و حوادث اس حقیقت باہرہ کا زندہ ثبوت نہیں ہیں۔؟ اگر یہ حقیقت ہے (اور اس کے حقیقت ہونے میں شبہ کیسے ہو سکتا ہے) تو پھر ہم پاکستان کے مسلمانوں سے، پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا قرآن کے یہ الفاظ آج تمہیں پکار پکار کر نہیں کہہ رہے کہ وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں لڑائی کے لئے نہیں اٹھتے۔ جبکہ حالت یہ ہے کہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا۔ مرد، عورتیں اور بچے، جنہیں بیکس و ناتوان بنا دیا گیا ہے، پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بستی سے جہاں کے لوگوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے، نکال لے۔ واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا (۴/۷۵)۔ اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی کارساز بنا دے اور کسی کو ہماری مدد کے لئے کھڑا کر دے۔

کہو! کہ ان مظلوموں کی مدد کے لئے خدا کی طرف سے کارساز، تمہارے سوا اور کون ہو گا؟ اگر تم نہ کھڑے ہو گے تو ان کی حفاظت کے لئے اور کون کھڑا ہو گا؟ ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اٹھ کر اسی وقت ہلہ بول دو۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اس وقت کے لئے بالکل تیار رکھو جب اس کے لئے فیصلہ ہو جائے۔ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم (۸/۶۰)۔ جس قدر بھی تم سے ہو سکے، ان کے خلاف تیاریاں رکھو۔ اپنی فوج کی قوت اور گھوڑوں کے رسالوں سے۔ تاکہ اس قوت اور تیاری سے تمہارے اور تمہارے خدا کے دشمن سب خوفزدہ رہیں

اور جو انسان ان کے حیطۂ اقتدار میں ہیں ان پر جور و تعدی کا ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ کر سکیں یہ تیاری نہایت ضروری ہے۔ نبی اکرمؐ سے عرض کیا گیا کہ مومن کی زندگی کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ جب جہاد ہو رہا ہو تو اس میں شامل ہو اور جب نہ ہو رہا ہو تو اس کی تیاری میں مشغول ہو۔ یعنی مسلمان کی ساری زندگی جہاد کی زندگی ہے۔ لیکن افسوس کہ انہوں نے اس راز حیات کو اس قدر بھلا دیا ہے کہ اب اسے یاد دلانے کے لئے انہیں بار بار جھنجوڑنا پڑتا ہے۔ حالانکہ اس کی یاد دلانا ایسا ہی ہے جیسا کسی سے کہا جائے کہ سانس لیتے رہا کرو ورنہ مر جاؤ گے۔ لیکن جس طرح پانی میں ڈوبنے والے انسان کے بازوؤں کو ہلا ہلا کر اس میں عمل تنفس جاری کیا جاتا ہے آج مسلمانوں کی بھی یہی حالت ہے کہ انہیں جھنجوڑ جھنجوڑ کر جہاد کی یاد دلائی جاتی ہے۔ آج مسلمان نظام شریعت کا مطالبہ کر رہا ہے اور دل میں سمجھے ہوئے یہ ہے کہ جونہی حکومت نے شریعت کے مطابق قوانین مرتب کر دیئے ان کی تمام مصیبتوں کا حل خود بخود ہو جائے گا۔ حالانکہ اس نظام کے قیام کی ضروری شرط یہ ہے کہ ہر مسلمان سپاہی ہو۔ کیا آپ نے نہیں سنا کہ جس دور میں شریعت حقہ کا نظام رائج تھا، اس وقت کوئی الگ فوج (Standing Army) کہیں نہیں ہوا کرتی تھی۔ ہر مسلمان سپاہی تھا۔ جب جہاد نہیں ہوتا تھا تو اس کی تیاری میں مشغول اور جب جہاد ہوتا تھا تو اس میں شامل۔ مسلمان کے لئے جسمانی کمزوری، صرف ملی جرم ہی نہیں گناہ بھی ہے کہ یہ اسے جہاد جیسے عظیم فریضہ میں عملی شرکت سے محروم رکھتی ہے۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا ہے کہ طاقتور مسلمان کمزور مسلمان سے بہتر ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے پوچھا کہ حضرت طالوت کو کن خصوصیات کی بنا پر سرداری کے لئے چنا گیا ہے تو فرمایا کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ زادہ بسطۃ فی العلم والجسم (۲۴۷/۲) اللہ نے اسے علم کی فراوانی اور جسمانی طاقت، دونوں میں کس قدر وسعت دی ہے۔ "علم کی فراوانی اور جسمانی قوت" ہی ہے سرداری کا راز اور مومن ہونے کی دلیل۔ اس کے ساتھ ساتھ نظم و ضبط اور انابت الی اللہ جس کی تربیت نماز سے ہوتی ہے بشرطیکہ وہ ملا کی بے کیف اور رسمی نماز نہ ہو۔ بلکہ مجاہد کی زلزلہ انگیز اور ولولہ خیز نماز ہو۔ جس کی "قد قامت" میں ہزار قیامتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ سو یاد رکھئے کہ اس وقت کرنے کا صحیح کام یہ ہے کہ تمام صحیح الجسم مسلمانوں پر فوجی تربیت (Military training) لازمی کر دی جائے اور پریڈ میں ان کے افسر وہ ہوں جو نمازوں میں ان کے امام بھی بن سکیں کہ جو نظام محمد رسول اللہ والذین معہ (علیہم التحیۃ والسلام) نے قائم کیا تھا اس کا انداز یہی تھا۔ وفیھا کتب قیمۃ اور یہی محکم اصول حیات ہے۔

یاد رکھئے مسلمانوں کی عسکری تنظیم اور قوت، ہوس جوع الارض کی تسکین اور دنیا میں فساد برپا کرنے کی غرض سے نہیں ہوگی۔ بلکہ دنیا میں قیام امن و سلامتی کے لئے ہوگی جیسا

نبی اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے۔ مومن کا جہاد اس لئے ہے کہ ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اُسے حق پر جھکا دیا جائے اگر پاکستان کا مسلمان اپنے اندر اس فریضۂ مقدسہ کی ادائیگی کی صلاحیت پیدا نہیں کرتا تو پاکستان کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔

ممکن ہے بعض اطراف سے یہ آوازیں اٹھیں کہ پاکستان کی جنگ "جہاد" کیسے کہلا سکتی ہے۔ جہاد کے لئے بیسیوں شرائط ہیں جو یہاں پوری نہیں ہو رہیں -- ابھی یہاں نظام شریعت رائج نہیں ہوا۔ امیرالمومنین موجود نہیں ہے۔ خلافت کا قیام نہیں ہوا۔ دارالحرب اور دارالاسلام کے حدود و قیود متعین نہیں ہوئے۔ وقس علیٰ ذالک۔ ہم سردست اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتے کہ وہ مصطلحہ جہاد جس کے لئے یہ فقہی شرائط گنائی جاتی ہیں، کیا ہوتا ہے، اور قرآنی جہاد کے لئے کن شرائط کی ضرورت ہے۔ اس بحث میں الجھنے سے ہم اپنے مقصد پیش نظر سے دور جا پڑیں گے۔ سردست اتنا سمجھ لیجئے کہ جو متاع آپ کے نزدیک عزیز ہے، اس کا تحفظ انسانی فطرت کی پہلی آواز ہے۔ جان اور اس سے متعلقات و تضمنات کی حفاظت تو عقل حیوانی تک کا اولین تقاضا ہے۔ ایک چیونٹی بھی اپنی ننھی سی جان کو بچانے کے لئے ہزار ہاتھ پاؤں مارتی ہے۔ آڑے وقت کے لئے خوراک کے ذخائر جمع کرتی ہے۔ لہٰذا طبیعی زندگی اور اس کے اسباب و ذرائع کی حفاظت ایک ایسا تقاضا ہے جس کے سمجھنے یا سمجھانے کے لئے کسی افلاطون کی عقل یا سقراط کی ذہانت کی ضرورت نہیں۔ جہد للبقاء (Struggle for Existence) "جہاد" ہی کی ایک کڑی ہے۔ حیوانیت کی دنیا سے آگے بڑھئے تو دنیائے انسانیت میں طبیعی زندگی کے علاوہ اور چیزیں بھی ایسی آجاتی ہیں، جو متاعِ عزیز و محبوب کی شق میں شامل ہو جاتی ہیں۔ عزت، آبرو، اصول، مختلف اقدار حیات۔ انفرادی زندگی سے آگے اجتماعی زندگی۔ یہاں پہنچ کر ان اجناس گراں مایہ کا تحفظ بھی اسی طرح تقاضائے انسانیت ہو جاتا ہے۔ جس طرح حیوانیت کی زندگی میں جان کا تحفظ۔ بلکہ وہ وقت بھی آجاتا ہے کہ انسان، ان چیزوں کی حفاظت میں جان تک کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ "مال صدقہ جان، جان صدقہ آبرو" ایسے ہی مقام کی تشریح ہے۔ ان چیزوں کی حفاظت میں کوشش "جہاد" کی دوسری کڑی ہے۔ مذہب انسانی زندگی کے لئے مستقل اقدار و اصول متعین کرتا ہے۔ ان اقدار و اصولات کی حفاظت، مذہب کی حفاظت ہے۔ یہ سب مقام انسانیت کی باتیں ہیں۔ اب ایک مقام اس سے آگے آتا ہے۔ ان تمام متاع ہائے ثمین و عزیز کی حفاظت، ایک فرد، یا افراد سے آگے بڑھ کر ایک قوم، اپنے لئے کرتی ہے۔ لیکن اگر کوئی دیکھے کہ کوئی غاصب و ظالم، کسی کمزور و ناتوان کی اس قسم کی متاعِ زندگی پر ہاتھ ڈالتا ہے۔ اور فریق مقابل میں اتنی قوت نہیں کہ اس

متاع محبوب کا تحفظ کر سکے، تو اس مظلوم کی حمایت میں جان بکف سامنے آجانا، یہ مقام مومن ہے اور جہاد کی آخری کڑی۔ اس کے لئے نہ کسی شرط کی ضرورت ہے نہ رسم کی قید۔ یہ مقام، احساس فرض کے مظاہرے اور قوت ایمانی کی تشکیل کا ہوتا ہے۔

جہاد کی ان مختلف کڑیوں پر غور کرو اور سوچو کہ یہ تمام مراحل و منازل مسلمانان پاکستان کے سامنے ہیں یا نہیں۔ اور اگر ان کے سامنے ہیں تو پھر اس فریضہ کی تکمیل کی تیاری میں انہیں کونسا امر مانع ہے؟ تحفظ ذات، تحفظ اقدار حیات، تحفظ متاع مظلومین، کے حیوانی، انسانی اور ایمانی تقاضے انہیں پکار پکار کر بلا رہے ہیں۔ اگر انہوں نے اس پکار پر لبیک نہ کہی تو پھر دنیا کی کوئی طاقت ان کی حفاظت کا سامان نہیں کر سکے گی۔ دفیہا بصائر للناس

Believe it or not

۱۴ر اگست کی سہانی صبح ہر پاکستانی کے لئے نوید جشن و مسرت اور پیغام بہجت و اہتزاز تھی۔ ان کی نئی مملکت نے اپنی آزادی کا ایک سال ختم کیا تھا۔ حکومت کی طرف سے نہایت وسیع پیمانے پر جشن استقلال کے انتظامات ہو رہے تھے۔ ہر شخص اس کامرانی و ظفر مندی پر فرحاں و شاداں دکھائی دے رہا تھا۔ کراچی بالخصوص مسرتوں کا گہوارہ بن رہی تھی۔ اُدھر یہ کچھ ہو رہا تھا اور ادھر پاکستان ریڈیو کراچی اسے۔ جس کا افتتاح خیر سے اس صبح ہوا تھا۔ ملکہ پکھراج، سوز و غم میں ڈوبے ہوئے سروں میں گا رہی تھی۔

کوئی امید بر نہیں آتی — کوئی صورت نظر نہیں آتی

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی — اب کسی بات پر نہیں آتی

موت کا ایک دن معین ہے — نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی

موت آتی ہے پر نہیں آتی

کہیئے! حسن انتخاب قابل داد ہے یا نہیں۔ اور اگر حساب کر کے دیکھئے تو اس "پیغام تہنیت" اور "نغمۂ مسرت" کے نشر کرنے پر ہزاروں روپے صرف آگئے ہوں گے۔

خدا اور رسول کی اطاعت

پرویز

میں نے اپنے مضمون اسلامی نظام (مطبوعہ طلوعِ اسلام بابت جولائی ۱۹۴۸ء) میں جس حقیقت کو پیش کیا تھا، یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ اس نے بہت سے اربابِ فکر و نظر کو سوچنے پر آمادہ کر دیا۔ اکثر نے اس سے اتفاق کیا۔ بعض نے مزید وضاحت چاہی۔ اور کئی ایک نے اعتراض بھی کئے۔ میرے نزدیک یہ تمام آثار نیک ہیں۔ اس لئے کہ اعتراضات ہی سہی، اس سے کم از کم جمود و تعطل کی وہ برفانی سلیں کچھ تو پگھلیں جنہوں نے صدیوں سے ہمارے قوائے فکر و تدبر کو مفلوج کر رکھا ہے۔ اعتراضات میں اکثر تو محض جذباتی قسم کے تھے جو ایک سنجیدہ بحث میں درخورِ اعتنا نہیں سمجھے جا سکتے۔ باقی اعتراضات کا تجزیہ کیا جائے تو ان میں قدرِ مشترک یہی سوال رہ جاتا ہے کہ قرآن نے جب اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے تو رسول کی اطاعت کس طرح کی جائے گی؟ اگرچہ اس سوال کا جواب میں شروع سے ہی دیتے چلا آ رہا ہوں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بحث ہنوز تشنۂ تکمیل ہے اور مزید وضاحت کی محتاج۔ بنا بریں، میں نے ضروری سمجھا ہے کہ اس ایک نقطہ کو اور واضح کیا جائے اور قرآن کریم کی روشنی میں اس حقیقت کو نکھار کر سامنے لایا جائے کہ اسلامی حکومت میں (جو قرآن کی رو سے قائم کی جائے گی) اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد مرکزی حکومت کی اطاعت ہے جو قرآنی احکام کو نافذ کرے گی۔

یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن کریم کی رو سے

(۱) اطاعت صرف خدا کی ہو سکتی ہے اور کسی کی نہیں۔ اسی کے یہ معنی ہیں کہ حکومت صرف خدا کی ہو سکتی ہے اور کسی کی نہیں۔

(۲) اطاعتِ خداوندی سے مراد ان قوانین کی اطاعت ہے جو اس نے رسول اللہ کی وساطت سے انسانوں تک پہنچائے اور جو قرآن کریم کی دفتین میں محفوظ ہیں۔

رسول کا پہلا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کا پیغام (یعنی قوانینِ الٰہیہ) جو اسے بذریعہ وحی ملتا ہے لوگوں تک پہنچائے۔ اسے ابلاغِ رسالت کہتے ہیں۔ اس میں اسے کسی تصرف یا تبدیلی کا اختیار نہیں ہوتا۔

رسول کا دوسرا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسا نظام قائم کرے جس میں خدا کے احکام زندہ فیصلوں کی حیثیت اختیار کر لیں اور انسانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ اسی نظام کے تابع زندگی بسر کرے۔

اس نظام میں وضع قوانین کا حق کسی کو حاصل نہ ہوگا۔ اس کا منصب، قوانینِ خداوندی کا نفاذ ہوگا۔ اس لئے اس نظام میں قدم قدم پر اس کی تاکید ہوگی کہ اطاعت صرف قرآن کی ہوگی اور کسی کی نہیں۔ رسول بھی اسی کی اطاعت کرے گا اور اس کے ساتھ باقی تمام وہ جماعت بھی جو اس نظام کے تابع ہوگی۔ قرآن میں بار بار یہ تاکید آپ کو نظر آئے گی کہ

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (۷/۳)

(اے افرادِ نسلِ انسانی!) جو تمہارے پروردگار کی جانب سے تم پر نازل ہوا ہے، اس کی پیروی کرو، اور خدا کو چھوڑ کر (اپنے ٹھیرائے ہوئے) اکابر (اولیاء) کے پیچھے نہ چلو۔ (افسوس تم پر!) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم نصیحت پذیر ہو۔

لیکن جب یہ اطاعت ایک حکومت کی شکل اختیار کرے گی تو ظاہر ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی مرکز بھی ہوگا جہاں سے یہ احکام نافذ ہوں گے، اور جس کے ذمے یہ فریضہ ہوگا کہ وہ اس کی نگرانی کرے کہ ان احکام پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اس مرکزیت (Central Authority) کا نام منصب امارت یا امامت ہے۔ یہ امیر یا امام وہ ہوگا جو سب سے زیادہ قوانینِ خداوندی کا پابند ہوگا (اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ) اور یہ ظاہر ہے کہ رسولؐ کی موجودگی میں اس سے بڑھ کر قوانینِ خداوندی کا فرمانبردار اور کون ہوگا؟ اس لئے اس نظام کا اولین امیر اور امام خود رسولؐ ہوگا۔ یہ رسول کی دوسری حیثیت ہے یعنی مرکزِ نظامِ حکومتِ الٰہیہ۔ امیر المومنین۔ امام المسلمین۔ اس امیر کی حیثیت محض احکامِ خداوندی کو نافذ کرنے والی کی ہوگی، یہ اپنی حکومت انسانوں پر نہیں چلائے گا۔ اس لئے قرآنِ کریم نے واضح الفاظ میں بتلا دیا کہ

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ (۳/۷۸)

کسی انسان کو یہ بات سزاوار نہیں کہ اللہ اُسے (انسانوں کی ہدایت کے لئے) کتاب، حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور پھر اس کا شیوہ یہ ہو کہ لوگوں سے کہے "خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ" (یعنی خدا کے احکام کی جگہ میرے حکموں کی اطاعت کرو) بلکہ چاہئے کہ ربانی انسان (یعنی اللہ کے احکام کی اطاعت کرنے والے) بنو۔ اس لئے کہ تم کتاب اللہ کی تعلیم دیتے رہتے ہو، اور اس لئے کہ اس کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے ہو!

وہ یہی کہے گا کہ اللہ میرا اور تمہارا آقا ہے آؤ، مل جل کر اس کی محکومیت اختیار کریں، کہ یہی شرفِ انسانیت کو اس کے منتہیٰ تک لیجانے والی سیدھی راہ ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (۱۹/۳۶)

اور بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے بس اسی کی عبدیت (محکومیت و اطاعت) اختیار کرو، یہی (سچائی کا) سیدھا راستہ ہے۔

اس امیر کا سب سے بڑا شرف جس کی وجہ سے وہ امیر بنا ہے یہی ہے کہ وہ خدا کی عبدیت میں سب سے سبقت لے گیا۔ اسی لئے قرآن کریم میں حضورؐ کو بار بار اسی خطاب (عبدہ) سے مخاطب کیا گیا ہے، مثلاً

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ (۵۳)

پس اللہ کو اپنے بندے (محمد) پر جو کچھ وحی نازل کرنی تھی، کی۔

اور اس اصل اعظم کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرانے کے لئے کہ اس نظام میں امیر کی حیثیت کیا ہے ہر اس شخص سے جو اس نظام میں داخل ہونا چاہے، سب سے پہلے دو باتوں کا اقرار لینا ضروری سمجھا گیا۔ ایک تو یہ کہ (۱) اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جس کے سامنے جھکا جائے، اور دوسرے یہ کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو اس نظام میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں، بیش ازیں نیست کہ وہ اللہ کے عبد (محکوم۔ غلام) اور اس کے رسول ہیں۔ خود رسول سے بار بار اس کا اعلان کرا دیا گیا کہ میں خود وحی کی اتباع کرتا ہوں۔ اور اس وحی کے ذریعے تمہیں غیر فطری روش زندگی کے انجام و عواقب سے متنبہ کرتا ہوں۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۚ (۳۸/۶۵)

(اے پیغمبر اسلام!) تم کہدو کہ میں صرف تم کو (غیر فطری زندگی کے انجام و عواقب سے) ڈرانے والا ہوں۔

اور بجز اللہ واحد و غالب کے کوئی لائق عبادت (اطاعت) نہیں ہے!

اس سے ذرا آگے ہے۔

اِنْ يُّوْحٰۤى اِلَيَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ؕ (۳۸)

میرے پاس وحی صرف اس لئے آتی ہے کہ میں (منجانب اللہ) صاف صاف ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

دوسری جگہ ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَاۤ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ؕ (۴۶)

(اے پیغمبر اسلام!) تم کہدو کہ میں کوئی نرالا رسول نہیں ہوں (بلکہ) اور (تو اور) مجھکو تو اس بات کا بھی علم نہیں کہ خود میرے اور تمہارے ساتھ کیا (سلوک) کیا جائے گا۔ میں تو اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ تک وحی کے ذریعہ آتی ہے، اور میں تو بس (خدا کے عذاب و عتاب سے) کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں، (اور بس)

اور اسی لئے تکرار اس کی یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ رسولؐ کو صرف قرآن کے احکام نافذ کرنے ہیں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا
عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ
لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ
لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝
وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ
يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ
اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝
اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (۵ / ۴۸-۵۰)

اور اے پیغمبر اسلام! اسی طرح) ہم نے تمہاری طرف سچائی کے ساتھ کتاب بھیجی، ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی جو پہلے سے موجود ہیں، اور ان پر نگہبان۔ سو چاہیئے کہ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، اور جو سچائی تمہارے پاس آچکی ہے، اسے چھوڑ کر لوگوں کی خواہشوں اور رایوں کی پیروی نہ کرو۔ تم میں سے ہر ایک گروہ کے لئے ہم نے "ایک شرع" اور "منہاج" ٹھیرا دی ہے (یعنی انسانی زندگی کا دستور العمل اور طور طریقہ ٹھیرا دیا) اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا (یعنی اختیار و ارادہ سلب کرکے پتھروں اور حیوانوں کی طرح ایک ہی روش پر چلنے پر مجبور کر دیتا) لیکن (تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں کیا، اور اس لئے نہیں کیا) تاکہ جو کچھ (احکامات) دئے گئے ہیں ان میں تمہیں آزمائے، (اور تمہارے لئے ترقی کی راہیں پیدا ہوں) پس نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ نکلنے کی کوشش کرو (کہ اس آزمائش کا اصل مقصود یہی ہے) بالآخر تم سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں بتلائے گا کہ جن باتوں میں باہم اختلاف کرتے تھے، ان کی حقیقت کیا ہے۔

اور اے پیغمبر اسلام!) ہم نے تمہیں حکم دیا کہ جو کچھ خدا نے تم پر نازل کیا ہے، اسی کے مطابق ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو، نیز ان کی طرف سے ہوشیار رہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے، اس کے کسی حکم (کی تعمیل و نفاذ) میں تمہیں ڈگمگا دیں، (یعنی ایسی صورت حال پیدا کر دیں کہ کسی حکم کا نفاذ عمل میں نہ آسکے) پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں، (اور حکم الٰہی نہ مانیں) تو جان لو خدا کو یہی منظور ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان پر مصیبت ڈالے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انسانوں میں سے بہت سے انسان (احکام حق سے) نافرمان ہیں۔

پھر (جو لوگ احکام الٰہی کا فیصلہ پسند نہیں کرتے، تو وہ کیا چاہتے ہیں) کیا جاہلیت کے عہد کا سا حکم چاہتے ہیں؟ (جب علم و بصیرت سے لوگ محروم تھے اور اوہام و خرافات پر عمل کرتے تھے) اور ان لوگوں کے لئے

جو یقین رکھنے والے ہیں اللہ سے بہتر حکم دینے والا کون ہو سکتا ہے؟

اس سے لوگوں کو ان کی فطرت کا فراموش کردہ پیغام یاد دلاتا ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (۵۰)

(اے پیغمبر اسلام!) یہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم اس (کی حقیقت) سے خوب واقف ہیں۔ اور آپ ان پر جبر و تشدد کرنے والے (بناکر نہیں) (بھیجے گئے) ہیں۔ آپ تو قرآن سے ایسے لوگوں کو نصیحت (و تبلیغ) کرتے رہیے جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔

اسی سے انہیں خدا کے راستہ پر لاتا ہے۔

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (۱۴)

الف۔ لام۔ را۔

یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے، تاکہ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم کی تعمیل میں تاریکیوں سے نکالے اور روشنی میں لائے کہ غالب و ستودہ خدا کی راہ ہے۔

اور ان کی راہ نمائی کرتا ہے۔

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (۲۷/۹۲)

(اے پیغمبر اسلام!) آپ کہہ دیجئے کہ من جانب اللہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ) میں قرآن پڑھ پڑھ کر سناؤں۔ سو جو کوئی (میری تبلیغ سے) راہ ہدایت پر آجائے گا تو وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے ہدایت پائے گا اور جو شخص گمراہ ہوگا (تو میرا کچھ نقصان نہیں) میں تو محض ڈرانے والے پیغمبروں میں سے ہوں۔

لیکن چونکہ نظامِ دین میں اللہ کے احکام مرکز سے نافذ ہونے تھے، اور یہ مرکزی قوتِ نافذہ رسولؐ کی محسوس شخصیت میں تھی، اس لئے ان مرکزی احکام کی اطاعت کو اللہ اور رسولؐ کی اطاعت قرار دیا گیا۔ ہمارے دینی نظام میں یہ ایک بڑا اہم نکتہ ہے، اور اسے اچھی طرح سے سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت سے، دو الگ الگ، مطاعوں کی اطاعت متصور نہیں۔ اس لئے کہ جیسا ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، یہ تصور قرآن کی بنیادی تعلیم کے منافی ہے کہ اطاعت اللہ کے سوا کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے۔ حتیٰ کہ خود رسولؐ کے متعلق واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بتلا دیا گیا کہ اسے بھی قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ لہٰذا اللہ اور رسولؐ سے مراد وہ مرکزِ نظامِ دین (Central Authority) ہے۔ جہاں سے قرآنی احکام نافذ ہوں۔ یہ حقیقت کہ اللہ اور رسولؐ سے مرکزِ ملت مراد ہے، قرآن کریم میں ایسے واضح الفاظ میں

اور اس شرح و بسط سے بیان ہوئی ہے کہ ان مقامات کو بغور دیکھ لینے کے بعد اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ جنگِ اُحد میں جب مسلمانوں کی جماعت میں خلفشار پیدا ہو گیا اور حضورؐ تنہا رہ گئے تو آپ نے ان بکھرے ہوئے پروانوں کو آواز دی۔ اس آواز پر وہ سب پھر اس شمع کے گرد جمع ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ آواز نبی اکرمؐ نے دی تھی، لیکن چونکہ یہ بُلاوا حضورؐ کا ذاتی بلاوا نہ تھا بلکہ آپ نے بہ حیثیت مرکزِ ملت یہ آواز دی تھی اس لئے اس آواز کو خدا اور رسولؐ کی آواز قرار دیا گیا۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا
.... اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ (۳/۱۷۲)

جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دیا (اور جنگ کے لئے طیار ہو گئے) باوجودیکہ (اس سے ذرا ہی پہلے وہ) زخم کھا چکے تھے، سو یاد رکھو ان میں جو لوگ نیک کردار اور متقی ہیں یقیناً ان کے لئے (اللہ کے حضور) بہت بڑا اجر ہے!

اسی لئے دوسری جگہ کہا گیا ہے کہ رسولؐ کے بلاوے کو عام بلاوا تصور نہ کیا کرو، اس کی دعوت حکومت کے مرکز کی آواز ہوتی ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ
اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۲۴/۶۳)

(اے پیروانِ دعوتِ ایمانی!) تم لوگ رسول کے بُلاوے کو (عام بلاوا) تصور نہ کرو، جس طرح تم ایک دوسرے کو آپس میں بلا لیا کرتے ہو! (یاد رکھو) اللہ ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے جو (دوسروں کی) آڑ لیکر (مسجدِ نبوی سے) کھسک جاتے ہیں لہٰذا جو لوگ اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہئے کہ ان پر (دنیا ہی میں) کوئی فتنہ نہ آن پڑے یا (آخرت میں) کوئی دردناک عذاب مسلط نہ ہو جائے۔

یہودیوں نے مدینہ میں اس عہد کو توڑا تھا جو انھوں نے نبی اکرمؐ سے استوار کیا تھا۔ اس عہد شکنی کو خدا اور رسولؐ کی مخالفت کہہ کر پکارا گیا ہے، اس لئے کہ یہ مخالفت نظامِ اسلامی کی مخالفت تھی۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ۗ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ۝

وَلَوْلَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِی الدُّنْیَا ؕ وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ

عَذَابُ النَّارِ ۝

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۵۹)

(اے افرادِ نسلِ انسانی!) آسمان و زمین کی تمام مخلوقات خدا کی پاکیزگی بیان کرنے میں رطب اللسان ہیں، اور وہ زبردست حکمت (و دانش) والا ہے۔

وہی ہے جس نے اُن اہلِ کتاب (یہودیوں) کو ان کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے نکال کھڑا کیا جنہوں نے کفر (انکار) کی راہ اختیار کی (ان کی ظاہری شان و شوکت دیکھ کر) تمہارا یہ گمان بھی نہ تھا کہ وہ (اس طرح اپنے گھروں سے) نکل کھڑے ہوں گے اور وہ خود یہ گمان کئے ہوئے تھے کہ ان کے (مضبوط) قلعے انھیں اللہ (کے انتقام) سے بچائے رکھیں گے، چنانچہ اُن پر (غضبِ الٰہی) ایسی جگہ سے پہنچا کہ جس کا ان کو خیال تک نہ تھا اور (اللہ نے) ان کے دلوں (کی گہرائیوں) میں (مسلمانوں کا) رعب و دبدبہ بٹھادیا۔ (ان کی یہ حالت ہوگئی کہ) خود اپنے ہی گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور (کچھ کو) مسلمانوں کے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے، سواے اربابِ فکر و دانش! (اس حالت کو دیکھ کر) عبرت حاصل کرو! اور اگر اللہ اُن کی قسمت میں جلاوطنی نہ لکھ چکا ہوتا تو (یقیناً) انھیں دنیا ہی میں (قتل کی) سزا دیتا۔ اور اُن کے لئے آخرت میں (بھی) دوزخ کا عذاب (تیار) ہے!

یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول (کے احکام و فرامین) کی مخالفت کی ہے اور جو کوئی اللہ (کے حکم) کی مخالفت کرتا ہے تو (یاد رکھو) اللہ (پاداشِ عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے۔

میدانِ جنگ میں مجاہدین کی تمام نقل و حرکت حضورؐ کی ہدایت کے مطابق ہوتی تھی اس لئے کہ حضورؐ ہی مرکزِ ملت اور سپہ سالارِ جیوشِ اسلامیہ ہوتے تھے، اس اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت کہا گیا ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (۸/۴۶)

(اور اے پیروانِ دعوتِ ایمانی!) اللہ اور اس کے رسول (کے احکام) کی اطاعت کرو، اور (باہم کر) نہ جھگڑو، (کہ اس سے) تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور (مصائب و آلام پر) صبر اختیار کرو، بلاشبہ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

نظامِ اسلامی کے خلاف بغاوت کر کے فتنہ و فساد برپا کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ خدا اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔

اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ

الْأَرْضِ ۚ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (۵/۳۳)

بلاشبہ ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں، اور ملک میں خرابی پھیلانے کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں، (یعنی رہزن اور ڈاکو ہیں) یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں، یا سولی پر چڑھا دیئے جائیں، یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے (یعنی جیسی کچھ سزا ان کیلئے ضروری ہو، انہیں دی جائے) یہ اُن کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی اُن کے لئے عذاب عظیم ہے!

منافقین اس نظام کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے، اسے بھی خدا اور رسولؐ کے خلاف حرب و ضرب قرار دیا گیا۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ (۹/۱۰۷)

اور (منافقوں سے وہ لوگ بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی کی کہ نقصان پہنچائیں کفر (انکار) کریں، مومنوں میں تفرقہ ڈالیں، اور اُن لوگوں کے لئے ایک کمین گاہ پیدا کر دیں جو اب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکے ہیں۔ وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی ہو، لیکن اللہ کی گواہی یہ ہے کہ وہ اپنی قسموں میں قطعاً جھوٹے ہیں۔

قریش عرب نے نبی اکرمؐ کو مکہ سے نکالا۔ مسلمانوں کو ہر طرح کی اذیتیں دیں، نظام اسلامی کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور پھر بدر کے میدان میں بہ پیکر اُن کے خلاف صف آرا ہو گئے، ان کی اس محاربت و مخاصمت کو بھی اللہ اور رسولؐ کے خلاف سرکشی قرار دیا گیا۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (۸/۱۳)

یہ سب کچھ (سزا و عتاب) اس لئے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (کے احکام) کی مخالفت کرتا ہے تو (یاد رکھو) بلاشبہ اللہ (پاداش عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے!

دوسری جگہ انہی مخالفین کے متعلق ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ وَقَدْ أَنزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ (۵۸/۵)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ (دنیا میں بھی) ایسے ذلیل و خوار ہوں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے (کیونکہ) ہم نے کھلے کھلے احکام و دلائل نازل کر دیئے ہیں۔

اور منکرین (حق) کو (آخرت میں بھی ذلت آمیز عذاب (کا برتاؤ) ہوگا

دوسری جگہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ۝ (۵۸)

(اور) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں تو یہ لوگ ذلیل و خوار لوگوں میں سے ہیں۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، کفار اور منافقین کی عہد شکنی کو خدا اور رسول کے خلاف اعلان جنگ کہا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ توبہ کی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ (۹)

(اے پیروانِ دعوتِ ایمانی!) جن مشرکوں کے ساتھ تم نے (صلح و امن کا) معاہدہ کیا تھا، اب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بری الذمہ ہونے کا ان کے لئے اعلان ہے!

پھر تیسری آیت میں ہے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ (۹)

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج کے بڑے دن عام منادی کی جاتی ہے کہ اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی۔ (یعنی ان میں اور نظام حکومتِ خداوندی میں اب کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا) پس اگر تم (اب بھی ظلم و شرارت سے) توبہ کرلو، تو تمہارے لئے اس میں بہتری ہے اور اگر نہ مانوگے، تو جان رکھو، تم اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے، اور (اے پیغمبر اسلام!) جو لوگ کفر کی راہ چل رہے ہیں انھیں عذاب دردناک کی خوشخبری سنادو!

پھر ساتویں آیت میں ہے۔

كَیْفَ یَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِیْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِیْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝ (۹)

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ (ان) مشرکوں کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عہد ہو؟ ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب (حدیبیہ میں) عہد و پیمان باندھا تھا (اور انھوں نے اسے نہیں توڑا) تو ان کا عہد ضرور عہد ہے، (اور) جب تک وہ تمہارے ساتھ (اپنے عہد پر) قائم رہیں، تم بھی ان کے ساتھ (اپنے عہد پر) قائم رہو۔ اللہ انھیں دوست رکھتا ہے جو (اپنے تمام کاموں میں) متقی ہوتے ہیں۔

غور کیجئے! یہ تمام معاہدات اسلامی حکومت کے ساتھ تھے، اور اسی حکومت کے نمائندہ (حضرت علیؓ)

کی وساطت سے یہ اعلانات ہو رہے تھے، لیکن انھیں اللہ اور رسولؐ کے مشورات کہا گیا ہے۔ اِس تبیانِ حقیقت سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کی توجہات کو اس نقطۂ ماسکہ کی طرف مرکوز کیا جائے کہ اگرچہ یہ تمام احکام رسولؐ کی طرف سے صادر ہو رہے ہیں، لیکن درحقیقت یہ اللہ کے احکام ہیں، اس لئے کہ یہ نظامِ حکومتِ خداوندی کے مرکز کی طرف سے نافذ ہو رہے ہیں۔ جنگِ احزاب میں جب مخالفین کے جیوش و عساکر سامنے آئے تو ان کے متعلق مجاہدین نے کہا کہ یہ بعینہٖ وہی چیز ہے جس کے متعلق حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا، لیکن اس کو بھی اللہ اور رسول کی طرف منسوب کیا گیا۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ؕ (۳۳/۲۲)

اور جس وقت مومنوں کی جماعت نے احزاب (کے جیوش و عساکر) کو دیکھا تو کہنے لگے کہ (ہاں) یہ تو (بالکل) وہی ہے جس کا اللہ اور رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور (بلاشبہ) اللہ اور اس کے رسول نے (بالکل) سچ کہا تھا۔ اور (ان کے اس کہنے سے) اُن کے ایمان و اطاعت میں (کچھ نہ کچھ) ترقی ہی ہو گئی۔

میں نے اپنی کتاب معارف القرآن جلد اول (عنوان نصرت) میں وضاحت سے بتایا ہے، کہ اللہ کو مدد دینے سے مراد یہ ہے کہ اُس کے دین کی تقویت کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ اس نصرت کو بھی اللہ اور رسولؐ کی نصرت کہا گیا ہے۔ مالِ فے کی تقسیم کے ضمن میں فرمایا۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ (۵۹/۸)

(مالِ فے) ان حاجتمند مہاجرین کا بالخصوص حصہ ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے (جبراً و ظلماً) جدا کر دئے گئے ہیں (اور اپنی اس مظلومانہ روش پر صبر و شکر کی بدولت) اللہ کے فضل و رضامندی کے جویا ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی (قیامِ دین میں) مدد کرتے ہیں یہی لوگ (ایمان و اطاعت میں) سچے ہیں!

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے دین کے غلبہ، اسلام کے تمکن، حزب اللہ کی کامیابی و ظفرمندی کے متعدد مقامات پر وعدے کئے ہیں۔ اس غلبہ اور کامیابی کے متعلق فرمایا کہ یہ اللہ اور رسولؐ کی کامیابی ہے۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (۵۸/۲۱)

اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرا رسولؐ ہی غالب رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ قوت و غلبہ والا ہے!

ظاہر ہے کہ یہ غلبہ اور تسلط، اسلامی حکومت ہی کا تمکن و تسلط تھا، ورنہ اللہ تو ہر جگہ غالب ہے، لہٰذا اللہ اور رسولؐ کے غلبہ سے مراد نظامِ اسلامی کے غلبہ و استیلاء ہی سے ہے۔ منافقین کی یہ حالت تھی کہ وہ عام مسلمانوں کو خوش رکھنے کی تدابیر سوچتے رہتے تھے، لیکن نظامِ اسلامی کے دل سے مخالف تھے، ان کے متعلق

فرمایا کہ یہ مسلمانوں کو تو راضی رکھنا چاہتے ہیں لیکن اللہ اور رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝ (۹/۶۲-۶۳)

(اے پیروانِ دعوتِ ایمانی!) یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کرلیں، حالانکہ اگر یہ واقعی مومن ہوتے، تو سمجھتے کہ اللہ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اسے (اپنے ایمان و عمل سے) راضی رکھیں۔

کیا (ابھی تک) انھوں نے یہ بات (بھی) نہ جانی کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے ہمیشہ اس میں جلے گا؟ اور یہ بہت ہی بڑی رسوائی ہے (جو کسی انسان کے حصہ میں آسکتی ہے)۔

مدینہ میں منافقین، مسلمانوں کی کامیابی کی وجہ سے دولتمند ہوگئے، اس کے متعلق فرمایا کہ یہ دولت انھیں اللہ اور رسول نے دی ہے۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ (۹/۷۴)

یہ (منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے ایسا نہیں کہا، اور واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے ضرور کفر کی بات کہی، وہ اسلام قبول کرکے پھر کفر کی چال چلے، اور اس بات کا منصوبہ باندھا جو نہ پاسکے، انھوں نے انتقام نہیں لیا، مگر اس بات کا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انھیں اپنے فضل سے (مالِ غنیمت دے دیکر) تونگر کردیا ہے۔ بہرحال اگر یہ لوگ اب بھی باز آجائیں تو ان کے لئے بہتر ہے، اور اگر گردن موڑیں تو پھر یاد رکھیں اللہ ضرور انھیں دنیا اور آخرت میں عذاب دردناک دے گا۔ اور روئے زمین پر ان کا نہ کوئی کارساز ہونے والا ہے، نہ مددگار!

اور آگے بڑھئے [تجدید حافظہ کے لئے ایک بار اس حقیقت کو پھر سامنے لے آئیے کہ بیان یہ ہو رہا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں اللہ و رسول کا ذکر آیا ہے اُس سے مراد مرکزِ نظامِ حکومت ہے۔ اس باب میں بہت سے نظائر پہلے پیش کئے جاچکے ہیں، باقی آگے آتے ہیں] مالِ غنیمت کے متعلق فرمایا کہ

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (۸/۱)

(اے پیغمبرِ اسلام!) لوگ تم سے پوچھتے ہیں مالِ غنیمت کے بارے میں کیا ہونا چاہیے؟ کہہ دو مالِ غنیمت درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ پس اگر تم مومن ہو تو، چاہیئے کہ (اس کی وجہ سے آپس میں جھگڑا نہ کرو، اللہ سے ڈرو، اپنا باہمی معاملہ درست رکھو، اور اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت میں سرگرم ہو جاؤ۔

یہاں یہ بالکل واضح ہے کہ اللہ اور رسول سے مراد مرکزِ حکومت ہے، چنانچہ رسول اللہؐ کے زمانہ میں جس قدر غزوات میں مالِ غنیمت ہاتھ آیا، وہ سب کا سب ایک جگہ جمع ہو جاتا تھا اور پھر حضورؐ اس کی تقسیم فرماتے تھے، یعنی وہ مال افراد کی ملکیت نہیں تھا، بلکہ حکومت کی ملکیت تھا۔ البتہ اس کی تقسیم کے لئے خدائی اصول مقرر تھے، جن کا ذکر ذرا آگے چل کر ان الفاظ میں آتا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (۸/۴۱)

اور جان رکھو جو کچھ تمہیں مالِ غنیمت میں ملے، اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے، رسول کے لئے، (رسول کے) قرابت داروں کے لئے، یتیموں کے لئے، مسکینوں کے لئے، اور مسافروں کیلئے نکالنا چاہیے، (اور بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جا سکتے ہیں) اگر تم اللہ پر اور اس (غیبی مدد) پر یقین رکھتے ہو جو ہم نے فیصلہ کر دینے والے دن اپنے بندے پر نازل کی تھی جبکہ دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے تو چاہیئے کہ اس تقسیم پر کاربند رہو، اور (یاد رکھو) اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں!

یہ خمس (پانچواں حصہ) اللہ اور رسول کے لئے تھا، اس خمس کی تفصیل مصارف سے ظاہر ہے کہ یہ حصہ بیت المال میں جائے گا، اور وہاں سے ان اجتماعی امور میں صرف ہوگا، جن کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ ان مقامات سے ظاہر ہے کہ اللہ اور رسول سے مراد مسلمانوں کا امام ہے۔ اسی طرح مالِ فے کے متعلق فرمایا۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ (۵۹/۷)

(اور) جو کچھ اللہ اپنے رسول کو (اسی طرح) دوسری بستیوں سے دلوا دے، سو وہ (بھی) اللہ اور رسول کا حصہ ہے اور (رسول کے) قرابت داروں کا، یتیموں، مسکینوں، اور مسافروں کا (حق) ہے (یا سلئے)

تاکہ وہ مال (فے) تمہارے تونگروں کے قبضہ میں نہ پہنچ جائے، اور (اے مسلمانو!) تم کو جو کچھ رسول (اپنی خوشی سے) دیدیا کرے اس کو لے لیا کرو، اور جس (چیز کے لینے) سے منع کر دیا کرے اس سے رُک کے رہا کرو، اور (ہر حال میں) اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ (پاداشِ عمل میں) سخت عقوبت دینے والا ہے!

یہاں بھی اللہ اور رسول کا مطلب واضح ہے۔ اب سورۂ نسآء کی اس آیت کی طرف آیئے جس میں یہ نظام وضاحت سے بیان ہوا ہے (اور جس کے غلط مفہوم نے بدقسمتی سے ملت کو بہت سے مغالطوں میں الجھا رکھا ہے) ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ؀ (۴/۵۹)

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو، اور ان لوگوں کی اطاعت کرو، جو تم میں صاحبِ حکم و اختیار ہوں، پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملہ میں باہم جھگڑ پڑو، (یعنی اختلاف و نزاع پیدا ہو جائے) تو چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو، اور جو کچھ وہاں سے فیصلہ ملے اُسے تسلیم کر لو) اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان (یقین) رکھتے ہو، (تو تمہارے لئے راہِ عمل یہی ہے) اس میں تمہارے لئے بہتری ہے، اور اسی میں انجام کار کی خوبی ہے (کیونکہ اختلاف و نزاع کے ابھرنے کا موقع نہیں رہتا، اور فتنوں فسادوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے)۔

اس آیت مقدسہ میں عام طور پر اولوالامر سے مراد لئے جاتے ہیں، اربابِ حکومت (مرکزی اور ماتحت سب کے سب) اور اس کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ اگر قوم کو حکومت سے اختلاف ہو جائے تو اس کے تصفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن (اللہ) اور حدیث (رسول) کو سامنے رکھ کر مناظرہ کیا جائے اور جو ہار جائے فیصلہ اس کے خلاف ہو جائے۔ ذرا غور فرمایئے! کہ دنیا میں کوئی نظامِ حکومت اس طرح سے قائم بھی رہ سکتا ہے کہ جس میں حالت یہ ہو کہ حکومت ایک قانون نافذ کرے اور جس کا جی چاہے اس کی مخالفت میں کھڑا ہو جائے اور قرآن و احادیث کی کتابیں بغل میں داب کر مناظرہ کا چیلنج دیدے! اس آیت مقدسہ کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ اس میں اللہ اور رسول سے مراد ہی مرکزِ ملت (Central Authority) ہے اور اولوالامر سے مفہوم افسرانِ ماتحت۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مقامی افسر سے کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو بجائے اس کے کہ وہیں مناقشات شروع کر دو، امرِ متنازعہ فیہ کو مرکزی حکومت کے سامنے پیش کر دو (اُسے مرکزی حکومت کی طرف Refer کر دو) مرکز کا فیصلہ سب کے لئے واجب التسلیم ہوگا۔ یعنی اس نظام میں مقامی افسروں کے فیصلوں کے خلاف عدالتِ عالیہ میں مرافعہ (اپیل) کی گنجائش باقی رکھی گئی ہے۔ یہ کہ اولوالامر

سے مراد مقامی حکام ہیں، اس سورۃ کی ایک دوسری آیت سے واضح ہے جس میں کہا گیا ہے کہ

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (۴/۸۳)

اور جب ان لوگوں کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچ جاتی ہے تو یہ (فوراً) اسے لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں اگر یہ اسے (لوگوں میں پھیلانے کی جگہ) اللہ کے رسول کے سامنے جو ان میں صاحب حکم و اختیار ہیں پیش کرتے تو جو بات کی تہ تک پہنچنے والے ہیں، وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے (اور عوام میں تشویش نہ پھیلتی) اور (دیکھو) اگر اللہ کا تم پر فضل نہ ہوتا، اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو (تمہاری کمزوریوں کا یہ حال تھا کہ) معدودے چند آدمیوں کے سوا سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے!

یعنی اگر اس قسم کا واقعہ مدینہ میں ظہور پذیر ہو تو اس کی اطلاع رسول اللہ کو دی جائے اور اگر کہیں باہر ہو تو مقامی حکام کو اس سے مطلع کیا جائے۔

قرآن کریم میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن میں اللہ اور رسول کے الفاظ آئے ہیں، لیکن ان کیلئے صیغہ واحد کا استعمال ہوا ہے، حالانکہ عربی کے عام قاعدے کی رو سے دو (اللہ اور رسول) کے لئے تثنیہ کا صیغہ آنا چاہیے۔ مثلاً

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ ۝ (۸/۲۰)

اے پیروان دعوت ایمانی! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور اس سے روگردانی نہ کرو، اور تم (صدائے حق) سُن رہے ہو![1]

دیکھئے اس میں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم ہے لیکن وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ میں (عنہ) کی ضمیر واحد غائب کی ہے۔ اس سے ذرا آگے ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ (۸/۲۴)

اے پیروان دعوتِ ایمانی! اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو، جب وہ پکارتا ہے، تاکہ تمہیں (موت کی حالت سے نکالکر) زندہ کر دے اور جان لو کہ (بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ) اللہ

---

[1] اس آیت میں وانتم تسمعون (جبکہ تم سن رہے ہو) کے الفاظ بھی قابلِ غور ہیں۔ عربی زبان میں اطاعت کے معنی ہی کسی زندہ کے احکام کی تابعداری ہے۔ اسلامی نظام میں اطاعت امام موجود کی ہوگی۔ جو قائم مقام ہوگا

* خدا اور رسول کا۔ یعنی مرکزِ نظام حکومت اسلامی۔

(اپنے ٹھیرائے ہوئے قانون واسباب کے ذریعہ) انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے،
اور جان لو کہ (آخرکار) اُسی کے حضور جمع کئے جاؤ گے!

اس میں بھی اللہ اور رسول کے الفاظ موجود ہیں لیکن اذا دعاکم میں صیغہ واحد غائب کا ہے۔ سورۂ نور میں ہے۔

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝
وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝ (۲۴/۴۸-۴۹)

اور جب یہ (منافقین) اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ اُن (کے امر متنازعہ فیہ) کے درمیان فیصلہ کر دے، تو اُن میں سے ایک فریق پہلو تہی کر لیتا ہے۔
اور اگر ان کا کوئی حق (کسی پر) واجب ہو تو اُس (مرکزِ ملت) کی طرف سر جھکاتے ہوئے چلے آتے ہیں۔

دیکھئے اللہ اور رسول کے الفاظ موجود ہیں لیکن یحکم میں صیغہ واحد کا ہے۔ اسی طرح یاتوا الیہ میں ضمیر واحد غائب کی ہے۔ اس سے ذرا آگے ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ (۲۴/۵۴)

(اے پیغمبرِ اسلام!) تم کہدو کہ (اے مسلمانو!) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر ایسا ہو کہ تم (اطاعت سے) روگردانی کرنے لگ جاؤ تو سمجھ رکھو کہ رسول کے ذمہ وہ (تبلیغ وارشاد) ہے جس کا اس پر بار رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ (اطاعت وانقیاد) ہے جس کا بوجھ تم پر عائد کیا گیا ہے اور اگر تم نے اس کی اطاعت کر لی تو (صحیح) راہ پر لگ جاؤ گے (بہرحال) رسول کے ذمہ صرف احکام کو صاف صاف طرح پہنچا دینا ہے (اور بس)

اس میں اللہ اور رسول کی اطاعت کا مطالبہ ہے لیکن علیہ اور تطیعوہ میں ضمائر غائب کی ہیں۔ ان مثالوں سے بھی یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد، دو الگ الگ اطاعتیں نہیں ہیں بلکہ اللہ کی وہ اطاعت ہے جو مرکزِ نظامِ دین (حکومتِ خداوندی) کی وساطت سے ظہور میں آتی ہے۔ ان ضمائر میں واحد کے صیغے مرکزِ ملت کے لئے آئے ہیں۔ جو اس وقت رسول اللہ کی ذاتِ گرامی تھی۔ یہی وہ اطاعت ہے جس کے متعلق فرمایا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ (۳۳/۳۶)

اور کسی مومن مرد و عورت کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ صادر کر دے تو ان مومنوں کو اُس (فیصلہ کی تبدیلی) میں کوئی اختیار باقی رہے، اور جو کوئی (باہمہ) اللہ اور اس کے رسول (کے احکام) کی نافرمانی کرے گا تو (جان لو کہ) وہ کھُلی ہوئی گمراہی کی چال چل گیا۔

اگر یہ اطاعت نہیں تو ایمان کا زبانی دعویٰ کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۔ (۲۴/۴۷)

اور یہ (منافقین) لوگ (زبان سے) کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر یقین (ایمان) رکھتے ہیں اور ہم (دل سے) اطاعت کرتے ہیں پھر ایسا ہوتا ہے کہ ان میں کا ایک گروہ اس کے بعد (خدا اور رسول کے حکم سے) سرتابی کر بیٹھتا ہے اور یہ لوگ سچ تو یہ ہے کہ ایمان ہی نہیں رکھتے۔

انہی قوانین کا نام حدود اللہ ہے جن کی اطاعت ضروری ہے۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۔ (۴/۱۳)

(یاد رکھو) یہ اللہ کی (ٹھیرائی ہوئی) حد بندیاں ہیں، پس جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا، تو اللہ اُسے (ابدی راحتوں کے) ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی (اور اس لئے اُن کی شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں) وہ (سرور و راحت کی) اِس حالت میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے جو انھیں حاصل ہوگی!

اور جن کی معصیت سے جہنم لازمی ہے۔

وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۔ (۴/۱۴ نیز ۷۲/۲۳)

لیکن جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اس کی ٹھیرائی ہوئی حد بندیوں سے باہر نکل گیا، تو (یاد رہے) وہ (جنت کی ابدی راحتوں کی جگہ) آگ کے عذاب میں ڈالا جائے گا وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا۔ اور اس کے لئے رسواکن عذاب ہوگا

یہ اطاعت ایک امانت ہے، جس میں خیانت کبھی نہیں کی جا سکتی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۔ (۸/۲۷)

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! ایسا نہ کرو، کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کرو، اور نہ یہ کہ آپس کی امانتوں میں خیانت کرو، اور تم اس بات سے ناواقف نہیں ہو۔

صرف اتنا ہی نہیں کہ احکام نافذ ہونے کے بعد ان کی اطاعت کی جائے بلکہ یہ بھی کہ کسی معاملہ میں مرکز کے فیصلہ کے انتظار کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۔ (۴۹/۱)

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) سے پہلے (کسی معاملہ) سبقت نہ کیا کرو، اور اللہ سے (ہر حال میں) ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ (سب کچھ) سننے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے!

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (۴۹/۲)

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز پر بلند مت کیا کرو، اور نہ اُس سے اِس طرح چلا چلا کر بولا کرو، جس طرح باہم گر بولتے ہو، کبھی تمہاری لاعلمی میں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں۔

یہی مرکز، ملت کا محافظ و نگراں ہے، اور اس کے تمام مفاد کا بہترین امین۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (۵/۵۵-۵۶)

(مسلمانو!) تمہارا رفیق و مددگار تو بس اللہ ہے، اُس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان والے ہیں۔ جن لوگوں کا شیوہ یہ ہے کہ نماز قائم رکھتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور (ہر حال میں) اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

اور (یاد رکھو) جس کسی نے اللہ کو، اس کے رسول کو، اور ایمان والوں کو اپنا رفیق و مددگار بنایا تو (وہ اللہ کے گروہ میں سے ہے، اور) بلاشبہ اللہ ہی کا گروہ غالب رہنے والا ہے!

بعض مقامات پر اللہ اور رسول کے الفاظ کی بجائے قرآن اور رسول کے الفاظ بھی آئے ہیں جن کا مفہوم بھی وہی ہے، یعنی مرکزِ ملت جو قرآنی احکام کو نافذ کرے۔ غور فرمائیے پہلے یہ ارشاد ہے کہ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۚ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝ (۴/۶۰)

(اے پیغمبرِ اسلام!) کیا تم نے اِن لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی؟ (یعنی منافقوں کی حالت پر) ان کا دعویٰ یہ ہے کہ جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے، اور جو کچھ تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے، وہ اس پر یقین (ایمان) رکھتے ہیں۔ لیکن (عمل کا حال یہ ہے کہ) چاہتے ہیں، اپنے جھگڑے قضیے غیر خدائی طاقتوں کے سامنے لیجائیں، حالانکہ انھیں حکم دیا جا چکا ہے کہ اُس سے انکار کریں، (اور صرف اللہ اور اس کے اس کے رسول ہی کی پیروی کریں) اصل یہ ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ انھیں اِس طرح گمراہ کر دے کہ راہِ راست سے دور جا پڑیں!

اور اس کے بعد۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝ (۴/۶۱)

اور (اے پیغمبر اسلام!) جب ان لوگوں کو اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے نازل کیا ہے، اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو، تم منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تم سے روگردانی کرتے ہیں اور اُن کے قدم ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں۔

دوسری جگہ ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ (۵/۱۰۴)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (عقل و بصیرت کی) اس بات کی طرف آؤ، جو اللہ نے نازل کی ہے، نیز اللہ کے رسول کی طرف رجوع کرو، تو کہتے ہیں "ہمارے لئے تو وہی طریقہ بس کرتا ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے دیکھا ہے" (ان سے پوچھو کہ) اگران کے باپ دادا کچھ جانتے بوجھتے نہ ہوں، اور راہ راست پر بھی نہ ہوں (تو کیا پھر بھی وہ انہی کی اندھی تقلید کرتے رہیں گے)

ظاہر ہے کہ ان مقامات میں مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (قرآن) اور رسول کی طرف الگ الگ دعوت نہیں ہے، اس لئے کہ الگ الگ دعوت کے کچھ معنی ہی نہیں۔ ان کفار و منافقین کے سامنے ایک ہی دعوت پیش کی جاتی تھی، اور وہ دعوت اسلام کے نظام کی تھی۔

اِن تصریحات سے واضح ہے کہ نظام قرآنی میں اطاعت مرکز ملت کی ہے اور چونکہ یہ مرکز قوانینِ خداوندی کی تنفیذ کرتا ہے اور سب سے پہلا مرکز رسول اکرمؐ کی ذات گرامی تھی اس لئے قرآن کریم میں مرکز ملت کو "اللہ اور رسول" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مصرحہ بالا مقامات کے علاوہ حسب ذیل آیات میں بھی "اللہ اور رسول" (یعنی مرکز نظام ملت) کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۳/۳۱)

(اے پیغمبر اسلام!) تم کہدو، فلاح و سعادت کی راہ تمہارے لئے ایک ہے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو اطاعت الٰہی سے روگرداں ہونا شیوۂ کفر ہے، اور اللہ کفر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا!

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ۝ (۴/۶۹)

اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو بلاشبہ وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جن پر خدا نے انعام کیا ہے اور وہ نبی ہیں۔ صدیق ہیں۔ شہید ہیں۔ اور (تمام) نیک اور راست باز انسان ہیں۔ اور (جس کسی کے رفیق ایسے لوگ ہوں، تو) ایسے رفیق کیا ہی اچھے رفیق ہیں!

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ (۵/۹۲)

اور (دیکھو) اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو، اور (برائیوں سے) بچتے رہو، پھر اگر تم نے روگردانی کی، تو جان رکھو، ہمارے پیغام بر پر تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے (عمل کرنا یا نہ کرنا تمہارا کام ہے، اور جیسا تمہارا عمل ہوگا، ویسا ہی نتیجہ بھی پاؤ گے۔)

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ (۶۴/۱۲)

اور (دیکھو) اللہ کی اطاعت کرو، اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم نے روگردانی کی تو (جان رکھو) ہمارے پیغام بر پر تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے (عمل کرنا، یا نہ کرنا تمہارا کام ہے اور جب تمہارا عمل ہوگا ویسا ہی نتیجہ بھی پاؤ گے)

یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ۗ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝ (۳۳/۷۱)

اللہ تمہارے اعمال میں درستی پیدا کرے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیگا۔ اور جو کوئی اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت (فرماں برداری) کرے گا تو وہ بہت ہی بڑی فیروزمندی کو پہنچیگا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ ۝ (۴۷/۳۳)

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور (کفر و نافرمانی کرکے) اپنے اعمال مت بگاڑو۔

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْھٰرُ ۚ وَمَنْ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْہُ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝ (۴۸/۱۷)

(ہاں البتہ) اندھے پر، اور لنگڑے پر، اور مریض پر کوئی گناہ نہیں اور جس کسی نے اللہ کی اطاعت کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو اللہ (جزائے عمل میں) اس کو ابدی راحتوں کے (ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی (جن کی وجہ سے ان کی شادابی میں تغیر نہیں ہوگا) اور جو کوئی (اطاعت سے) روگردانی کریگا تو اسکو (پاداشِ عمل میں) دردناک عذاب کی سزا دیگا۔

یہیں سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں اللہ یا قرآن یا رسول کی اطاعت کا الگ الگ بھی ذکر ہے اس سے بھی اسی قسم کی اطاعت مقصود ہے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ یعنی نظامِ دین (مرکزِ حکومتِ خداوندی) کی اطاعت۔ اس لئے کہ اطاعت اللہ کے سوا کسی اور کی نہیں کی جا سکتی۔ اور قرآن کے متعین فرمودہ نظامِ اجتماعی کے پیشِ نظر انفرادی طور پر اطاعت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ رسول چونکہ سب سے پہلا مرکزِ نظامِ ملت ہوتا ہے اس لئے اس کی اطاعت، مستقل اطاعت نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے قوانین کی اطاعت ہوتی ہے، اسی لئے فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (۴/۶۴)

اور (اے پیغمبرِ اسلام! ان لوگوں کو جو تمہاری اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو انہی کے ساتھ ہوئی ہو۔) ہم نے جس کسی کو بھی منصبِ رسالت دے کر دنیا میں کھڑا کیا، تو اسی لئے کیا کہ ہمارے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اور جب ان لوگوں نے (تمہاری نافرمانی کر کے) اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر لیا تھا۔ تو اگر اسی وقت تمہارے پاس حاضر ہو جاتے، اور خدا سے (اپنی نافرمانی کی) معافی مانگتے نیز خدا کا رسول بھی ان کی بخشش کیلئے دعا کرتا، تو یہ لوگ دیکھ لیتے کہ خدا بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور (ہر حال میں) رحمت رکھنے والا ہے!

اسی اطاعت کا حکم اس سے اگلی آیت میں مسلمانوں کے لئے ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰي يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَھُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (۴/۶۵)

پس (دیکھو) تمہارا پروردگار اس بات پر شاہد ہے کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے، جب تک ایسا نہ کریں کہ اپنے تمام جھگڑوں، قضیوں میں تمہیں حکم بنائیں، اور پھر (صرف اتنا ہی نہیں۔ بلکہ) ان کے دلوں کی حالت بھی ایسی ہو جائے کہ جو کچھ تم فیصلہ کر دو، اس کے خلاف کسی طرح دل گرفتگی محسوس نہ کریں، اور وہ جو کسی بات کو پوری طرح مان لینا ہوتا ہے، اسی طرح ٹھیک ٹھیک مان لیں۔

اور یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ رسول کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ تمام فیصلے قرآن کی رو سے کرے، کہ حکم قرآن ہی کا نافذ ہوگا کسی اور کا نہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝ (۱۳/۳۷)

اور اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے اسے (یعنی قرآن کو) ایک عربی فرمان کی شکل میں اُتارا۔ اگر حصولِ علم کے بعد تو نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی، تو سمجھ لے کہ پھر اللہ کے مقابلہ میں

نہ تو تیرا کوئی کارساز ہوگا، نہ بچانے والا۔

اسی اطاعت سے خدا کی محبت حاصل ہوتی ہے۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ‎(۳/۳۱)

(اے پیغمبر اسلام!) ان لوگوں سے کہدو، اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو تمہیں چاہیے کہ میری پیروی کرو، اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور تمہاری خطائیں بخشدیگا وہ بڑا ہی بخشدینے والا اور رحمت رکھنے والا ہے!

اور یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جو انسان کو اس کے ارتقائی منازل کی انتہا تک پہنچاتی ہے۔

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ‎(۶/۱۵۳)

اور اس نے بتلایا کہ (خدا پرستی اور نیک عملی کی) یہی راہ میری (ٹھیرائی ہوئی) سیدھی راہ ہے، سو اسی پر چلو، اور (دوسری) راہوں پر نہ چلو، کہ خدا کی راہ سے بھٹکا کر تمہیں تتر بتر کردیں۔ یہ بات ہے جس کا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم (نظامِ خداوندی کی) ضمانت میں آجاؤ۔

اس لئے رسول کا حق سب سے اولیٰ ہے۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ۗ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَن تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُم مَّعْرُوفًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ‎(۳۳/۶)

نبی . . . . . . مومنوں کے خود اپنے نفس سے بھی زیادہ حقدار ہے اور اس کی بیبیاں ان (تمام مسلمانوں کی) مائیں ہیں، اور اللہ کی کتاب (کے قانون) میں رشتہ دار، بہ نسبت دوسرے مومنین و مہاجرین کے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ (میراث کا) زیادہ حق رکھتے ہیں مگر یہ جائز ہے کہ اگر تم اپنے دوستوں سے (بطور وصیت کے) کچھ سلوک کرنا چاہو (تو کرسکتے ہو) یہ بات قانونی نوشتہ میں لکھی جا چکی ہے۔

اس لئے کہ مومنین کا جان اور مال اللہ نے خرید رکھا ہے (سورہ توبہ) اور اس بیع و شریٰ سے مفہوم ہی یہی ہے کہ وہ نظامِ دین کے استحکام و استبقا میں کام آئے۔ چنانچہ اس کی تفسیر سورہ توبہ کی اس آیت میں موجود ہے۔

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم

مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۔ (۹/۲۴)

ان سے کہدو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور وہ مال جسے تم کھاتے ہو اور وہ تجارت جس کے خسارے سے تم ڈرتے ہو اور وہ مکانات جو تمہیں بہت پسند ہیں، تمہارے نزدیک اللہ اور رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں، تو ذرا ٹھیرو یہانتک کہ اللہ (کا قانونِ مکافات عمل اس) کا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت کی راہ نہیں دکھایا کرتا۔

یہاں دیکھئے پھر وہی "اللہ اور رسول" کے الفاظ موجود ہیں۔ اور "جہاد فی سبیل اللہ" کے الفاظ اس غائت کی وضاحت کر رہے ہیں، جس کے لئے جماعت کے نزدیک یہ مرکز ہر عزیز ترین متاع سے بھی عزیز تر ہونا چاہیئے اس لئے کہ

ملت کیلئے موت ہے مرکز سے جدائی ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے خدائی

قرآن کریم کی ان نصوص صریحہ سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آگئی کہ "اللہ اور رسول" کی اطاعت سے مراد مرکزِ حکومتِ قرآن کی اطاعت ہے۔ وہ مرکز جو خدا کے احکام کا نافذ کرنے والا اور رسول اللہ کی امامتِ کبریٰ کو آگے چلانے والا ہو گا۔ اس اعتبار سے یہ مرکز "خدا اور رسول" کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ اسی کے ذمہ قرآنی اصولوں کی جزئیات کا تعین اور انہیں قانونی حیثیت سے نافذ کرنے کا فریضہ ہو گا۔ یہی افسرانِ ماتحت (اولوالامر) مقرر کریگا اور اگر ان صاحبانِ امر کے کسی فیصلہ سے ملت کو اختلاف ہو گا تو اس کا تصفیہ بھی اسی مرکز کی طرف سے ہو گا۔ اس نظام میں ملت کے ارباب علم و نظر کو حریتِ فکر اور آزادیٔ اجتہاد حاصل ہو گی لیکن ان کی تحقیق و اجتہاد کے نتائج اسی وقت واجب الاطاعت ہوں گے جب وہ مرکز کی طرف سے بطور قانون نافذ ہوں گے۔ نہ انفرادی فتاویٰ کی کوئی حیثیت ہو گی نہ الگ الگ واعظوں کی ضرورت۔ مولویوں اور عالموں کا کوئی جداگانہ گروہ نہیں ہو گا (جس طرح قرنِ اولیٰ میں ان کا کوئی الگ گروہ نہیں ہوتا تھا)۔ جو اپنے اندر اہلیت رکھے گا، نظامِ حکومت کا جزو بن جائے گا۔ نظامِ حکومت چلانے والی جماعت کے سامنے قرآن ہو گا، احادیث ہونگی، کتب سیر و تاریخ و آثار ہوں گی۔ ائمہ فقہ کے اجتہادات ہوں گے۔ خود اپنے زمانہ کے ارباب فہم و فراست کی تحقیقات کے نتائج ہوں گے۔ اس تمام سرمایۂ علم و فکر کی روشنی میں، وہ اپنے زمانہ کے مقتضیات کے مطابق، مسائلِ پیشِ نظر کے حل کے لئے، قرآنی اصولوں کے جزئی قوانین مرتب کریں گے اس کا نام شریعت اسلامی ہو گا۔

یہ حصہ صرف ترتیب و تدوینِ قوانین کا ہے۔ لیکن یہ قوانین کبھی وہ نتائج پیدا نہیں کر سکتے جو اسلامی نظام کا ماحصل ہیں جب تک ان کے نافذ کرنے والوں کی سیرت میں وہ تبدیلی نہیں پیدا ہو جائے گی جو قرآن

جا چاہتا ہے۔ ہماری تاریخ میں اکثر ابواب ایسے ہیں جن میں مسلمان بادشاہوں نے وہی قوانین رائج کئے جنھیں ہم قانونِ شریعت کہتے ہیں لیکن بایں ہمہ، ان کی سلطنتیں نوعِ انسانی کے لئے کبھی موجب رحمت نہ بن سکیں۔ ان قوانین نے اپنے صحیح اور مکمل نتائج اس وقت پیدا کئے تھے جب یہ دنیا میں محمد رسول اللہ والذین معہٗ کے مقدس ہاتھوں سے نافذ ہوئے تھے۔ اس لئے یہ دیکھنے کے لئے کہ ہمارا نظام وہی نتائج پیدا کر رہا ہے یا نہیں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہماری سیرت، سیرتِ محمدیہ کے قالب میں ڈھل رہی ہے یا نہیں۔ سیرتِ محمدیہ، معراجِ انسانیت ہے۔ اور اس کی اصلی تصویر، قرآن کے صفحات میں محفوظ۔

اگر باو نرسیدی، تمام بولہبی است

کلامِ اکبر

اگرچہ دعویٰ اسلام ہے مگر بالفعل — سوا خدا کے ہمارا کوئی گواہ نہیں

کارگر اُس بت کی تدبیریں بالآخر ہو گئیں — گو ہوں مسلم خواہشیں میری بھی کافر ہو گئیں

مہربانی سے مجھے گودام کی کنجی تو دی — لیکن اب گیہوں نہیں باقی فقط گھن کیا کروں

ستم کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں — یہ ان کی بدگمانی ہے کہ فریادی سمجھتے ہیں

نئی ترکیب اب شیطان کو سوجھی ہے اغوا کی — خدا کی حمد کیجیے ترک بس مجھ کو برا کہیے

جب قدم راہِ طلب میں نہ بڑھیں اے اکبر — بیٹھ کر پاؤں ہلانے کا نتیجہ کیا ہے

عمل جب اپنے نہیں ہیں اچھے تو ذکرِ عصیانِ غیر کیسا

عدو کی قسمت بگڑ بھی جائے تو اپنی قسمت یہی رہے گی

ملت میں پارٹیوں کی ضرورت نہیں

اشاعت مئی میں ہم نے اس نئے تصور کو پیش کیا تھا کہ ملت فی ذاتہ ایک پارٹی ہے، اس میں مزید پارٹیوں کی گنجائش نہیں۔ بلکہ یہ صورت شر انگیز اور خطرناک ہے۔ اشاعت جون میں ہم نے اس نظریہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے بتایا تھا کہ پارٹی حکومت میں معیارِ انتخاب جوہر ذاتی کے بجائے رکنیت جماعت ہوتا ہے۔ نیز پارٹیاں اپنی صفوں میں ضبط و نظم قائم کرنے اور قائم رکھنے پر زیادہ حریص ہوتی ہیں۔ سیاسی مقابلہ کے میدان میں انھیں ایسا کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس سے اندرونِ جماعت مسابقت ختم کردی جاتی ہے جس سے جوہر ذاتی خوار و زبوں ہوتا ہے۔ چنانچہ عدم مسابقت میں وہی اصحاب منظرِ عام پر آتے ہیں اور مناصب و مقامات بلند حاصل کرتے ہیں جو زیادہ غوغا پرور اور موقع شناس ہوتے ہیں۔

اواخر مئی میں کراچی کارپوریشن کے میئر کا انتخاب ہو رہا تھا۔ میونسپل مسلم لیگ پارٹی نے مسٹر الانہ کو اپنا نمائندہ نامزد کیا۔ ہندوؤں کے ترک پاکستان سے کراچی کارپوریشن کے ارکان قریباً مسلمان تھے اور مسلمان تقریباً مسلم لیگ سے وابستہ تھے۔ ایسے میں مسلمان بلکہ مسلم لیگی میئر کا منتخب ہونا یقینیات میں سے تھا۔ اس انتخاب میں مسٹر گبول مسلم لیگی ہونے کے باوصف مسلم لیگ پارٹی کے نامزد کے حریف تھے۔ ان کا سرکاری، نامزد کے مقابلہ پر آنا پارٹی ڈسپلن کے منافی سمجھا گیا اور جماعت میں انتشار کا باعث۔ لہٰذا چودہری خلیق الزماں، ناظم پاکستان مسلم لیگ نے بنفس نفیس اس قضیہ میں مداخلت کی اور مسٹر گبول کو مجبور کردیا کہ وہ جماعت کی کثرت رائے کا احترام کریں اور مقابلہ سے دست کش ہو جائیں۔ چنانچہ مسٹر گبول ۲۵ مئی کو یہ اعلان کر کے کہ

> میں محترم قائد کی خواہش کے احترام میں مقابلہ سے دست کش ہوتا ہوں۔ میں پارٹی ڈسپلن کو سب امور پر ترجیح دیتا ہوں۔

مقابلہ سے ہٹ گئے۔ مسٹر الانہ، مسلم لیگ کے باضابطہ نامزد نے کامیاب ہو کر مسلم لیگ پارٹی کے ارکان کو پارٹی ڈسپلن قائم رکھنے پر مبارکباد دی۔

یہ واقعہ واقعہ کے اعتبار سے غیر معمولی نہیں لیکن نتائج کے اعتبار سے دور رس ہے۔ اس کا تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو جمہوریت جمہوریت نہیں رہتی بلکہ آمریت بن جاتی ہے۔ سیاسی تحزب (پارٹی بازی) میں پارٹی ڈسپلن، (حزبی ضبط و تعصب) تشددانہ ہو جاتا ہے اور مقصود بالذات۔ میئر کے انتخاب کے موقع پر بجائے اس کے کہ جماعت

تمام ارکان کو آزادی دیتی کہ وہ مقابلہ میں آئیں اور ارکان کی اکثریت جس فرد کو ترجیح دے وہ منتخب ہو جائے، پارٹی نے ایک فرد کو نامزد کر دیا اور باقی سب کو مجبور کر دیا کہ وہ طوعاً و کرہاً اس کے حق میں ووٹ دیں۔ اس اعتبار سے میئر افراد و ارکان کے آزادانہ رائے کا نہیں بلکہ حزب کے آمرانہ فیصلہ کا نتیجہ ہے۔ تعداد ارکان کی جہت سے مسلم لیگ پارٹی غالب اکثریت کی مالک تھی، لہذا اس کے مخالفین میں سے میئر کا انتخاب خارج از بحث تھا۔ اندرون جماعت مقابلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ جو فیصلہ ہوا وہ نہ کارپوریشن کے جملہ ارکان کے آزادانہ انتخاب کا نتیجہ تھا، نہ کارپوریشن مسلم لیگ پارٹی کے آزادانہ انتخاب کا، بلکہ ان دونوں کے علاوہ ایک عظیم تر پارٹی یعنی مسلم لیگ کے ناظم چودھری خلیق الزماں کا فیصلہ تھا، جو خود کارپوریشن کے رکن نہیں تھے۔ انہیں مداخلت کرنے اور اپنا فیصلہ خارج سے مسلط کرنے کا حق محض اس بنا پر حاصل ہوا کہ وہ ایک ایسی پارٹی کے ناظم تھے جنہیں مخصوص حالات نے بیرونِ کارپوریشن وقتی برتری دے دی ہے حالانکہ اندرون کارپوریشن وہ ازروئے انتخاب عامہ اکثریت کی مالک نہیں تھی۔ چنانچہ چودہری صاحب نے اپنی عظیم پارٹی کی قوت کے بل بوتے پر نہ محض اپنا فیصلہ اپنی پارٹی کے افراد سے منوایا بلکہ غیر ارکان کو بھی مجبور و بے بس کر دیا۔

پارٹی اس ضبط اور ڈسپلن پر فخر کر رہی ہے! لیکن آنچہ در گفتار فخر تست ایں ننگ من است!!

جو کچھ کراچی کارپوریشن کے محدود دائرہ میں ہوا اسے ساری بساط سیاست پر پھیلایئے اور تصور کیجئے کہ اگر پاکستان میں حکومت کے علاوہ ایک سیاسی پارٹی کا وجود باقی رہا تو کیا نقشہ جمے گا۔ نئے آئین کے مطابق انتخابات عامہ ضرور ہوں گے۔ آثار و قرائن کے مطابق میدان انتخاب میں صرف ایک سیاسی پارٹی یعنی مسلم لیگ ہوگی۔ وہ انتخابات سے کیسے عہدہ برآ ہوگی؟ اس کا ایک: صوبائی پارلیمانی بورڈ ہوگا اور ایک مرکزی بورڈ صوبائی حلقوں کے لئے صوبائی بورڈ .... اور مرکزی حلقوں کے لئے مرکزی بورڈ ارکان نامزد کر دیں گے۔ گویا مسلم لیگ ہر مسلم صوبائی اور مرکزی حلقہ کے لئے ایک ایک نمائندہ نامزد کر دے گی۔ ان کے حریف کون ہوں گے؟ سیاسی پارٹی تو مسلم لیگ کے علاوہ اور کوئی ہوگی نہیں۔ لہذا کسی منظم مقابلہ کا سوال خارج از بحث ہے۔ بعض بعض مقامات پر ہو سکتا ہے کہ مقامی عوامل مقامی اشخاص کو قسمت آزمائی پر آمادہ کریں لیکن وہ مطلوبہ تاب مقابلہ فراہم نہیں کر سکیں گے، کیونکہ ان کے ترکش میں عمومی اور بلند بانگ نعروں کے تیر نہیں ہوں گے۔ ایسے نعروں کا ٹھیکہ تو صرف مسلم لیگ کے پاس ہوگا۔ پاکستان اور اسلام کے فلک بوس نعروں کے جواب میں مقامی نعرے کیا حیثیت رکھیں گے۔ لہذا اس قسم کے مقابلے برائے نام ہوں گے۔ تو عملاً یہی ہوگا کہ مسلم لیگ جن ارکان کو نامزد کر دے گی وہ "بلا مقابلہ" منتخب ہو جائیں گے۔ حلقوں کے رائے دہندگان کی اکثریت یقیناً ان منتخبین کے حق میں نہیں ہوگی لیکن وہ آئینی اعتبار سے حلقوں کے جائز نمائندے متصور ہوں گے۔ ایسے از خارج مسلط کردہ اور غیر نمائندہ نمائندوں کا ایوان ہائے حکومت میں جانا قوم اور حکومت کے درمیان اس خلا کو دوام بخشے گا جس کے ہاتھوں ہم ابھی سے عاجز آ رہے ہیں۔ یہ خلا نہ حکومت کو عوامی بننے دے گا نہ عوام کو حکومت کے قریب آنے دے گا۔

سیاسی تحزب میں یہ ناگزیر ہے۔ ایک ہی سرکاری پارٹی کی موجودگی سے جیسا کہ پاکستان میں عملاً ہوتا

نظر آتا ہے یہ آمریت اور تشدد ہو جاتی ہے۔ منظم حکومت کے ہوتے ہوئے ایک سیاسی پارٹی غیر ضروری ہو جاتی ہے حکومت پر مستزاد سیاسی پارٹی کا وجود اصولاً غلط ہے۔ اور اگر بالفرض سیاسی پارٹی کی ضرورت قوم کے لئے باقی رہتی ہے تو قوم کو ایک ہی پارٹی سے وابستہ رہنے پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے۔ کیوں نہیں قوم کو آزاد چھوڑ دیا جاتا کہ وہ حکومت سے متصادم ہوئے بغیر آزادی سے حزب بندی کرے۔ یعنی اگر چند افراد قوم ایک پارٹی کی صورت اختیار کر سکتے ہیں تو ان کی طرح دیگر افراد قوم کو بھی پورا حق حاصل ہو کہ وہ مختلف پارٹی کی تشکیل کرنا چاہیں تو کر لیں۔ اس طرح تمام جماعتیں آزادی سے انتخاب لڑیں اور جو جیت جائے وہ حکومت مرتب کرلے۔ ایک ہی جماعت اور مسلم لیگ ہی کی کیوں ضرورت ہے؟

اس کا جواب چودھری خلیق الزماں صاحب نے ۳۰ مئی کو کراچی میں ایک تقریر کے دوران میں یوں دیا،

> ایک جمہوری حکومت میں کہ جس میں پارٹی طرز حکومت ہو حکومت اور قوم کے درمیان ایک رابطہ کی ضرورت ہے۔ (ایسے میں) اگر مسلم لیگ میدان میں نہ آئی تو اور جماعتیں آ دھمکیں گی۔

ایک پارٹی کا جواز اس اصل سے نکلتا ہے کہ "پارٹی طرز حکومت" میں حکومت اور قوم کے درمیان ایک رابطہ کی ضرورت ہوتی ہے، اور محض مسلم لیگ کی ہستی کا جواز اس سے نکلتا ہے کہ اگر مسلم لیگ میدان میں نہ آئی تو اور جماعتیں آ دھمکیں گی۔

یہ خالص دَوری اور بے سروپا استدلال ہے۔ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ پارٹی طرز حکومت رائج ہے اور رائج رہے گا۔ اگر پوچھا جائے کہ صاحب، پارٹی طرز حکومت کیوں رائج ہے یا سرے سے یہ انداز حکومت ہی کیوں قائم و دائم رہے تو ان کے استدلال کی پوری عمارت نیچے آ گرتی ہے۔ قبلہ، اس چکر سے نکلئے۔ آپ مکلف نہیں ہیں کہ پارٹی طرز حکومت کے غلام بنے رہیں۔ اللہ نے آپ کو قطعہ زمین عطا کیا ہے۔ آپ جس قسم کی عمارت چاہیں اس پر تعمیر کر سکتے ہیں۔ آپ کیوں نقالی پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ ذرا ذہن کو سوچنے کی زحمت دیجئے اور ندرت فکر و عمل سے صحیح جمہوری انداز کی عمارت استوار کیجئے۔

لیکن چودھری صاحب کے لئے ایک مصیبت یہ ہے کہ یہ ثریا تک جانے والی کج دیوار کو گرا دیا جائے تو نئی عمارت کا نقشہ کیا ہو؟ مسلمان عجیب گومگو میں ہے۔ وہ رائج الوقت اندازہائے حکومت سے نفور ہے اور اسلامی نظام حکومت قائم کرنے کا متمنی۔ قیام نظام اسلامی کی مساعی کو چودھری صاحب جس زاویہ نظر سے دیکھتے ہیں اس کا اظہار انہوں نے ۳۰ رجون کو کراچی کی ایک دعوت عصرانہ میں یوں کیا:

> شرعی حکومت کا مطالبہ کرنے والوں کی مساعی کا مطلب پاکستان کو کمزور بنانا ہے۔ وہ عوام کو خواہ مخواہ حکومت سے متصادم کر رہے ہیں۔

اگر شرعی حکومت کے قیام کا مطالبہ حکومت سے تصادم کے مترادف ہے تو ظاہر ہے کہ غیر شرعی نظام حکومت کو ترجیح ہوگی۔ نظام غیر شرعی ہوا تو وہ پارٹی طرز حکومت پر مبنی ہوگا۔ پارٹی کا وجود ضروری ہو تو مسلم لیگ کو فوراً میدان مار لینا چاہئے ورنہ دیگر پارٹیاں معرض وجود میں آ جائیں گی۔ کتنا سیدھا مسئلہ ہے۔ دیکھا آپ نے، کس طرح غلط مفروضہ پر غلط تر استدلال کی بنیاد رکھی جا رہی ہے؟ اسی کو بنائے فاسد علی الفاسد کہتے ہیں۔ اس بنیادی مفروضہ کو غلط قرار دیجئے تو ساری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے۔ اور اس کج خشت اول پر ثریا تک عمارت تعمیر کراتے جائیے

تو وہ کج ہی ہوگی۔

جو دلیل اس وقت مسلم لیگ اپنی ہستی کے جواز میں دے رہی ہے اگر یہی دلیل دیگر جماعتیں دیں یعنی وہ اس لئے میدان عمل میں آدھمکیں کہ اگر وہ نہ آئیں تو مسلم لیگ واحد اجارہ دار بن جائے گی تو بتائیے مسلم لیگ کے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ کیا صرف یہی جواب نہیں کہ موجودہ حکومت مسلم لیگ کی ہے اور وہ اس کے نام اور اس کی قوت کو اپنی حمایت میں استعمال کر سکے گی اور دوسری جماعتوں کو میدان عمل میں پچھاڑ سکے گی؟ اگر یہ نہیں تو جو جواز لیگ کے پاس ہو وہی دوسری جماعتوں کے پاس ہوگا۔

ایک پارٹی کے وجود کے حق میں دوسری دلیل یہ دی گئی ہے کہ وہ حکومت اور عوام کے مابین رابطہ کا کام دے گی یہ وہی راہبانہ نظریہ ہے کہ خدا اور بندے کے درمیان واسطے کا ہونا ضروری ہے اور وہ واسطہ 'راہب' 'مرشد' 'شیخ' وغیرہ سے پورا ہوتا ہے۔ حکومت جب عوام کی نمائندہ ہوگی بلکہ جب وہ عوام ہی کی ہوگی تو عوام اور اس میں کسی رابطہ کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ جہاں تک حکومت کے محاسبہ کا تعلق ہے، محاسبہ چند افراد منتخبہ کا خصوصی اجارہ نہیں، ملت کا فریضہ ہے۔ ملت حکومت کی محاسب ہوگی اور حکومت کے سامنے براہ راست جواب دہ ہوگی۔ طلوع اسلام نے متعدد مرتبہ حکومت اور ملت کی ثنویت کا تار و پود بکھیرا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ذہن اس سے اس حد تک متاثر ہو چکے ہیں کہ ہم وحدت ملت (عملی توحید) کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یاد رکھئے قرآن کے اصول تواصی بالحق کے مطابق انداز محاسبہ یہ نہیں ہوتا کہ ایک جماعت بارِ حکومت اٹھائے اور ایک جماعت تنقید و تنقیص کی ذمہ داری سنبھالے۔ نظامِ قرآن میں جماعت میں تقسیم کار کے ساتھ ساتھ اشتراک فرائض بھی رہتا ہے۔ حکومت خارج سے ملت پر مسلط نہیں ہوتی بلکہ ملت بازخود انصرام حکومت جماعت منتخبہ کے سپرد کر دیتی ہے، ایسی جماعت جو اس فریضہ کی بجا آوری کی کماحقہٗ صلاحیت رکھتی ہے اور جس کی ملت محاسب رہتی ہے۔ یہ دو گروہ ظاہراً مختلف نظر آتے ہیں لیکن ایک ہی مشین کے پرزے اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہوتے ہیں کہ ایک کے بغیر دوسرا بیکار ہے۔

یہاں آکے پھر دوری استدلال کا دوسرا چکر شروع ہوتا ہے۔ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ حکومت خارج سے وجود میں آتی ہے اور وہ 'حکمرانوں' 'آقاؤں' پر مشتمل ہوتی ہے۔ یعنی وہ سلطانی' ملت و جمہور نہیں ہوتی بلکہ شخصی یا حزبی تسلط ہوتا ہے جسے حکومت کا حق از غیب تفویض ہوتا ہے۔ اس کج مفروضہ پر دوسری کج دیوار اٹھ رہی ہے۔ چونکہ حکومت اغیار کی ہوتی ہے اور گذشتہ تجربہ یہی ہے کہ حکومتیں استبدادی اور آمرانہ ہوتی تھیں (بلکہ ہیں) اس لئے محاسب جماعت کو مضبوط ہونا چاہئے ایسا مضبوط کہ وہ "حکومت اور عوام دونوں کی محترم ہو" نیز

> اس جماعت کے عہدہ داروں کو سرکاری عہدوں کے انعامی مقابلہ سے دور رکھا جائے۔ (چنانچہ) لیگ کونسل نے اس کو بھانپ کر اس کا تدارک کر لیا ہے اور خود غرضوں اور مطلب پرستوں کو جماعت کو حصول مناصب کا ذریعہ بنانے سے روک دیا ہے۔ لیگ کے آئین میں پارلیمانی بورڈوں کے ارکان کو اجازت نہیں کہ انتخابات میں حصہ لیں۔ اسی طرح لیگ کے عہدہ داروں کو سرکاری مناصب قبول کرنے کی اجازت نہیں۔
>
> (چودھری خلیق الزماں صاحب۔ تقریر کراچی ۳۰ مئی)

۱۶ جون کو کراچی کے ایک اور اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے چودہری صاحب نے فرمایا:

ہم مسلم لیگ کی ایسے خطوط پر تنظیم کرنا چاہتے ہیں کہ اس کے عہدہ دار مجالس مقننہ کے لئے منتخب نہ ہوں۔ اعلیٰ قابلیت کے آدمیوں کو کہ جن کی زندگی کا مقصد مسلم لیگ کی تنظیم ہو میدان میں کام کرنا چاہئے اور وزارتوں پر حریص نگاہیں نہیں ڈالنی چاہئیں۔

قبل اس کے کہ ہم ان خیالات پر تبصرہ کریں آپ خود چودہری صاحب کی زبانی سن لیجئے کہ ان کے اس مشورہ کا خیر مقدم کیسے ہوا:

جب میں نے اعلان کیا اور اسے بار بار دہرایا کہ میں بے لوث حضرات کا خیر مقدم کرتا ہوں اور انھیں دعوت دیتا ہوں کہ وہ میدان میں آئیں اور بے غرضی سے حکومتی مناصب سے مستغنی ہو کر مسلم لیگ کی خدمت کریں تو مجھے توقع تھی کہ ہر طرف سے اس اعلان کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ لیکن میرے اس مشورہ کو سراہنے اور اپنی خدمات پیش کرنے کی بجائے بعض لوگوں نے اور مسائل کھڑے کر دیئے اور اس پر فوقیت دے دی۔ (کراچی ۲۰ جون کی ایک دعوت عصرانہ میں چودہری صاحب کی تقریر)

ہم نے مئی کی اشاعت میں لکھا تھا کہ اگر مسلم لیگ باقی رہی تو ملت پر حکومت اور مسلم لیگ کے دو علیحدہ علیحدہ نظام مسلط ہو جائیں گے اور وہ بیک وقت دو آقاؤں کی لونڈی بن جائے گی۔ اس میں کتنے فتنے پوشیدہ ہیں اس کا اندازہ کرنے کے لئے ذرا چودہری صاحب کے فرمودہ کا تجزیہ کیجئے۔ حکومت اور ملت کی ثنویت کو اٹل اور دائمی جان کر آپ نے محاسب جماعت کو "اولی الامر" کی جماعت سے برتر ثابت کرتے ہوئے اعلیٰ قابلیت کے لوگوں سے یہ توقع کی ہے وہ مسلم لیگ کی تنظیم میں منہمک رہیں اور وزارتوں پر حریص نگاہیں نہ ڈالیں۔ گویا وزرائے ملت کہ ہیئت اجتماعیہ کا مرکزی ادارہ ہوتے ہیں جن کی اطاعت اسلامی نظام میں بمنزلہ خدا اور رسول کی اطاعت کے ہوتی ہے، اعلیٰ قابلیت کے آدمی نہیں ہونے چاہئیں۔ کیونکہ چودہری صاحب تو اعلیٰ قابلیت کو مسلم لیگ کے حلقہ تک محدود دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر ملت کی اعلیٰ قابلیت کا یہی استعمال رہا تو حکومت نااہلوں اور نالائقوں کا حلقہ بن کے رہ جائے گی اور اس کے جو نتائج ہوں گے ان کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

اب تک ہمارے ہاں دین اور دنیا کی ثنویت چلی آ رہی تھی۔ ہماری ایک ہزار سال سے اوپر کی تاریخ اسی کی ماتم گسار ہے۔ چودہری صاحب نے دین کو برطرف کر دیا کہ ہنوز اس کا وقت نہیں لیکن آپ نے ثنویت پر حرف نہیں آنے دیا اور دنیا کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ سیاست (جسے دنیا کہا جاتا ہے) کو وحدت ہی متصور کیا جاتا تھا۔ اب سیاست میں ایک ٹکڑہ حکومت ہے اور دوسرا ٹکڑہ سیاسی پارٹی یعنی جماعت رابطہ۔ توم؟ اس کا ایک ہزار سال تک اللہ مالک رہا ہے تو وہ آئندہ بھی اس کا مالک رہے گا! لیکن آپ گھبرائیے نہیں مسلم لیگ کے پاس اس کا بھی علاج موجود ہے۔ چودہری صاحب کی تربیت یافتہ لیگ جانتی ہے کہ

حکومت کو رائے عامہ کے سامنے جھکانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسلم لیگ کو مضبوط اور موثر بنایا جائے۔ (نمائندہ ڈان سے چودہری صاحب کی یکم جون کی اخباری ملاقات میں گفتگو)

حکومت فاسد، نااہل اور کمزور ہو گی تو کیا ہے، مسلم لیگ تو مضبوط اور موثر ہو گی! اور مضبوط اور موثر مسلم لیگ اس خلاء کے "خلاف بھی مہم شروع کرے گی" (ایضاً) جو حکومت اور ملت کے مابین ہے۔ حکومت اور ملت کے درمیان لیگ کا رابطہ موجود ہوتے ہوئے بھی خلاء کا پایا جانا کیا معنی رکھتا ہے؟ خلا تو جب ہو سکتا ہے کہ باہمی رابطہ نہ ہو۔ غالباً اس مقصد کے لئے مسلم لیگ ایک ایسی مجلس قائم کرے گی جو ایک طرف حکومت اور مسلم لیگ کے مابین رابطہ کا کام دے اور دوسری طرف قوم اور حکومت کا خلاء دور کرے۔ مسلم لیگ اور قوم کے مابین خلاء کا ارتفاع خارج از بحث رہے گا کیونکہ وہ نئے انتخابات عامہ کے موقعوں پر چند دنوں کے لئے دور ہو ہی جاتا ہے۔

اس متضاد پیچ در پیچ اور دوری استدلال کا غیر جانبدارانہ نفسیاتی تجزیہ[1] کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس ذہنی گورکھ دھندے اور بھول بھلیاں میں ایک "سیدھی راہ" بھی ہے۔ وہو ھذا:

چودہری صاحب ایک سیاسی پارٹی سے برسوں سے وابستہ ہیں۔ وفاداری اور استواری میں خلا باقی نہ رہے تو وفاداری شرطِ ایمان بن جاتی ہے۔ اس سیاسی پارٹی نے پاکستان حاصل کیا۔ یہ وہ سیاسی جماعت ہے جو گذشتہ دس سال سے اغیار سے یہی منواتی چلی آئی ہے کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اب وہ "مصدقہ" نمائندہ جماعت ہی نہیں پاکستان کی حکمران بھی ہے۔ اب وہ قبل از تقسیم کے سیاسی موقف کی اس انانیت کو کیسے ترک کر سکتی ہے۔ یہ اس کی پختہ عادت بن چکی ہے۔ لہذا وہ اب بھی "انا ولا غیری" کی حیثیت کو برقرار رکھنا چاہتی ہے۔ چونکہ اس کی قائم کردہ حکومت عوام کی محبوب و محترم نہیں یا کم از کم اس کے حکومتی نمائندے ویسے محبوب و محترم نہیں جیسے کہ وہ حکومت کے بغیر ہوا کرتے تھے اس لئے مسلم لیگ بہترین افراد کو جماعتی حلقہ تک محدود رکھنا چاہتی ہے، تاکہ قوم کا اعتماد بدستور حاصل رہے، وہ حکومت کے ایوانوں میں صف ثانی کے اصحاب کو بھیج دینا چاہتی ہے اور چونکہ ایسے کمتر آدمی کاروبار حکومت کو بطریق احسن نہیں چلا سکیں گے اور وہ عوام سے اور عوام ان سے دور ہو جائیں گے اس لئے مسلم لیگ اس موقع پر جماعت محاسب بن کر میدان میں آئے گی اور حکومت کو اپنے سامنے جھکائے گی اور خلا کو بھی دور کرے گی۔ اس طرح وہ عوام میں محبوب و محترم بنی رہے گی۔

قیام پاکستان سے پیشتر تو ایک ایسی سیاسی جماعت کا تصور قابل فہم تھا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے اس وقت مقدمہ جیتنے کے لئے ہمیں یہ دکھانا ضروری تھا کہ ہم میں اس امر سے متعلق کوئی اختلاف نہیں یا زیادہ سے زیادہ اتفاق ہے۔ اس اتفاق اور عدم اختلاف کا خارجی مظہر ایک سیاسی پارٹی تھی۔ ورنہ اس کے عملی مظاہرہ ۔۔۔۔ کی اور کوئی صورت نہ ہوتی۔ قیام پاکستان کے بعد وہ مرکزی سیاسی پارٹی جسے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت سمجھا جاتا تھا پاکستان کی حکومت بن چکی ہے: جیسے ہندوستان میں ہم بیک آواز کہا کرتے تھے کہ ہم مسلم لیگ سے وابستہ ہیں اور وہی ہماری بااختیار نمائندہ ہے، ایسے ہی پاکستان میں ہماری اپنی حکومت ہماری

---

[1] نفسیاتی تجزیہ ایک علمی کوشش ہے اور اس میں جانبداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ ہمارے ہاں بعض عیوب غیر مرئی و غیر محسوس حد تک ہم پر مستولی ہیں اس لئے مزید احتیاط کے لئے ہم نے نفسیاتی تجزیہ کو خلاف آداب علم غیر جانبدارانہ کی صفت سے موصوف کیا ہے۔

واحد نمائندہ" جماعت " ہے۔ اب ہماری وابستگی اور وفاداری کا مرجع حکومت ہے جو سابقہ سیاسی پارٹی کی جائز وارث اور جانشین ہے۔ جیسے ہندوستان میں ہماری خواہش اور کوشش ہونی چاہئے گی کہ ہماری مرکزی جماعت یعنی مسلم لیگ میں قابل ترین اور اہل ترین اشخاص آئیں بالکل اسی طرح پاکستان میں ہماری یہ کوشش ہونی چاہئے کہ ہمارے قابل ترین اور اہل ترین اشخاص حکومت کے ایوانوں میں آئیں اور اس مرکزی ادارہ کو مثالی بنائیں۔

مرکز کی حیثیت کو سمجھ لیا جائے تو مندرجہ بالا فرق بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے اور یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے کہ حکومت کے علاوہ کسی اور مرکز کی ضرورت نہیں۔ جب آپ لامرکزیت کی طرف جائیں گے تو ہر قدم آئندہ قدم کی علت بن جائے گا اور آپ مجبور ہوجائیں گے کہ ایک غلطی کے اثرات سے بچنے کے لئے دوسری غلطی کا ارتکاب کریں۔ اس طرح یہ ابلیسی سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوگا اور ملی نظام مسموم ہوکر رہ جائے گا۔ مثلاً جب آپ ایک پارٹی کے وجود کی گنجائش نکالتے ہیں تو آپ مقابلہ و مسابقت کے قدرتی تقاضوں کو نظر انداز کردیتے ہیں اور حصارِ عافیت کھینچ لیتے ہیں کہ کوئی اور پارٹی نہیں بننے دیں گے۔ لیکن " کہ بو فساد کی آتی ہے بندپانی میں" اور " پانے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے" کے مصداق اس کے نتائج عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ خود چودھری صاحب نے مشرقی بنگال کی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کمیونسٹوں کو متوازی مسلم لیگ بنانے اور مسلم لیگ کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے پر مورد الزام ٹھیرایا ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ متوازی مسلم لیگ بنانے میں ناکام ہوکر کمیونسٹوں کے گروہ نے خود مسلم لیگ میں افتراق پیدا کرنا شروع کردیا ہے (چودھری صاحب کی یکم جون کی نمائندہ ڈان سے اخباری ملاقات اور ۱۳؍ جون کی تقریر کراچی) کمیونسٹ یا افتراق و انتشار کی یہ مساعی بالذات مرض نہیں بلکہ علاماتِ مرض ہیں اور بالکل قابلِ فہم ہیں۔ اس صورتِ حال کا یہ علاج نہیں کہ یا تو سرے سے کوئی اور پارٹی بننے ہی نہ دی جائے یا مخالفین کو بدنام کیا جائے اور طرح طرح کے الزامات لگا کر ان کی راہ میں موانعات پیدا کئے جائیں۔ یہ دونوں صورتیں خطرناک ہیں۔

پہلے اس شق کو لیجئے کہ مخالفین کو پارٹی بنانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ یہ ہوا تو جیسا ہم نے آغازِ کلام میں بتایا ہے انتخابات کہ ملی آراء کا آئینہ ہوتے ہیں مذاق بن کے رہ جائیں گے۔ واحد سیاسی پارٹی سے غیر متفق اور اس کا غیر رکن طبقہ حکومت سے دور ہوجائے گا اور نام نہاد " محاسب " جماعت کو غاصب سمجھنے پر مجبور ہوگا۔ ایسا غاصب جس کے غصب کو قانون نے جائز قرار دے دیا ہے۔ کسی زندہ قوم میں اس قسم کی الجھن زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتی۔ اور معاشرہ کم سے کم وقت میں متوازن ہوکے رہتی ہے۔ اس کا سرگرم اور بغاوت زدہ طبقہ ایسے نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دے گا۔ اگر دوسری صورت معرضِ عمل میں آئی اور دیگر پارٹیوں کو اذنِ تشکیل و عمل مل گیا تو ایک اور فتنے کا دروازہ کھل جائے گا۔ اسی فتنہ کو روکنے کے لئے مسلم لیگ ایک پارٹی کا حل تجویز کر رہی ہے۔ عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ انتشار اور افتراق تعدد احزاب ۔ (Multiple Parties) سے پیدا ہوتا ہے حالانکہ خود تعدد احزاب معلول ہے علت افتراق کا۔ افتراق نہ ہو تو متعلقہ گروہ انسانی از خود ایک پارٹی بن جاتا ہے۔ یہ مطلوبہ نتیجہ ہے ائتلاف کا جو وحدتِ مقصد سے پیدا ہوتا ہے۔

اور وحدت مقصد ناممکن ہے جب تک نظامِ اجتماعیہ میں توازن نہ ہو۔ توازن بغیر عدل کے غیر متصور ہے۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ کسی فرد ملت کو دوسرے فرد پر خارج سے کوئی برتری اور فوقیت حاصل نہ ہو۔ ہر فرد کو اظہارِ ذات کے پورے پورے مواقع میسر ہوں۔ ان پر پابندی عائد ہو تو مشترک نظامِ اجتماعیہ کی۔ حیاتِ اجتماعی جب بھی عدل لہذا توازن سے محروم ہوگی وہ ایک مرکز پر برقرار رہ ہی نہیں سکتی۔ اس میں انتشار و فساد ناگزیر ہیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر صرف پاکستان ہے۔ ذرا اس داستان کو تاریخ کے اوراق پر بکھیر دیجئے اور دیکھئے کہ یہی عوامل کرۂ ارض پر انسانی تاریخ میں کیسے کارفرما رہے ہیں۔ انسان مدنی الطبع ہے لیکن ابھی تک وہ بحیثیت انسان مدنیت کی تشکیل نہیں کرسکا۔ انسان نے "قرونِ اولیٰ" میں تجربہ کیا کہ وہ مخالف ماحول کے شدائد و مصائب کا تنہا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ چنانچہ وہ خاندانوں میں جمع ہوگیا، جو بعد میں قبیلوں تک وسیع ہوگئے اس وقت کے تقاضوں کے مطابق اتنے محدود دائرے عافیت و مدافعت کے لئے کافی تھے۔ لیکن مرورِ زمانہ اور تبدیلیٔ احوال سے خاندان خاندان سے اور قبیلہ قبیلے سے متصادم ہوتا گیا۔ اس تصادم سے خاندانی یا قبائلی حصارِ عافیت محفوظ نہ رہے تو انسان نے چھوٹے گروہ چھوڑ کر وسیع تر گروہوں سے وابستگی اختیار کرلی۔ انسان مہذب ہوتا گیا تو وہ شہروں اور بستیوں میں آباد ہوتا گیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شہر شہروں کے خلاف لڑ رہے ہیں، نینوا، بابل، ٹرائے، اتھینز، سپارٹا، روم کی جنگیں ایسے ہی دور کی یادگار ہیں۔ کچھ وقت کے بعد یہ شہر بھی مٹ گئے اور سلطنتیں اور قومیں معرضِ وجود میں آگئیں۔ دورِ حاضر قومیت اور وطنیت کا دور ہے۔ اسی لئے اب تصادم مقامی یا محدود نہیں بلکہ بین الاقوامی اور عالمگیر ہوتا ہے۔ اس انتشار و فساد کو بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ انسانی گروہوں میں عام اس سے کہ وہ خاندان کے حقیر گروہ کی صورت میں ہوں یا قوموں کے عظیم گروہوں کی صورت میں، ان میں تصادم ناگزیر ہے۔ لیکن جونہی محدود گروہ وسیع تر گروہوں میں جذب ہوگئے اور انہوں نے اپنی انفرادیت ان میں جذب کردی، ان محدود گروہوں کے مابین تصادم ختم ہوگیا۔ مثلاً جیسا ہم نے ابھی مختصراً بتایا ہے ابتداءً افراد میں تصادم تھا لیکن جب افراد خاندان میں اکٹھے ہوگئے تو افراد کا سابقہ تصادم ختم ہوگیا کیونکہ ان کے حقوق و مفادات کا تحفظ ایک بڑے گروہ یعنی خاندان کے سپرد ہوگیا۔ جب کئی خاندان جمع ہوکر قبائل کی شکل اختیار کرگئے تو خاندانی جنگیں ختم ہوگئیں لیکن قبائلی جنگوں کا آغاز ہوگیا۔ قبیلے مجتمع ہوکر قومیں بن گئے تو قبائلی تصادم داستانِ ماضی بن گیا اور بین الاقوامی تصادم کی طرح پڑ گئی۔ گویا جونہی کمتر احزاب اپنے مفاد کو وسیع تر کرکے وسیع تر احزاب میں شامل ہوگئے ان کا باہمی تصادم ختم ہوگیا۔ پس تاریخ کا ناقابلِ تردید سبق یہ ہے کہ علیحدہ احزاب انسانی غیر فطری تقسیم ہیں اور ان میں فساد کی صورت مضمر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانے میں جبکہ دول و اقوامِ عظمیٰ اپنی مدافعت کا مکمل و اعلیٰ سازوسامان رکھتی ہیں وہ بین الاقوامی تصادم سے محفوظ نہیں۔ بین الاقوامی جنگوں کے انسداد کلی کا ایک ہی طریقہ ہے ——— اور یہ تاریخ کا مجرب کلیہ ہے ——— کہ جداگانہ قومی تشخص اور آزادی اپنی موجودہ شکل میں ختم کردی جائے اور ایک بین الاقوامی نظامِ حکومت کی طرح ڈال دی جائے۔ ایسا نظام جس کے اجزائے ترکیبی آزاد و خودمختار قومیں نہ ہوں بلکہ

افرادِ انسانی۔ گویا اس کی اساس وحدتِ انسانی پر ہو۔ پہلی عالمگیر جنگ کے شعلوں سے پیدا ہونے والی جمعیۃ الاقوام اور دوسری جنگ کے بعد ابھرنے والی اقوامِ متحدہ کی ناکامی کا راز یہی ہے کہ ہر دو نے انسانی مسائل کو اقوامی (بین الاقوامی) مسائل سمجھ کر حل کیا۔ حالانکہ مرض کا صحیح علاج جمعیۃ اقوام میں نہیں جمعیۃ آدم میں ہے۔ اس غلط مفروضہ نے ان کے سعی و عمل کو اکارت کر دیا اور مطلوبہ مقصد پورا نہ ہو سکا۔ اس داستان کو سمیٹا کر پاکستان کی بساطِ سیاست پر مرکوز کیجئے۔ اگر یہاں پاکستان میں جداگانہ حزبی تشخص باقی رہا تو تصادم ناگزیر ہے۔ مفادات لامحالہ ٹکرائیں گے اور نظامِ اجتماعی اپنا توازن کھو بیٹھے گا۔ اس تصادم سے گلوخلاصی کرانے کی واحد شکل یہ ہے کہ ہر افتراق کی جڑ کاٹ دی جائے اور پارٹیوں کے وجود کو ختم کر دیا جائے۔ مرکز سب کا مشترک اور ایک ہو اور تمام افراد اپنے آپ کو اس سے وابستہ و متمسک رکھیں۔

بین الاقوامی مثال سے یہ اشتباہ ہو سکتا ہے کہ اگر متفرق پارٹیاں مرکز سے پوری طرح وابستہ ہو جائیں تو تصادم کو خارج از امکان کیا جا سکتا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ جیسا کہ ہم نے لکھا ہے بین الاقوامی تصادم اس وقت تک غیر ممکن نہیں ہو گا جب تک کہ اقوام بہ حیثیت اقوام۔ یعنی بہ حیثیت آزاد و خود مختار اقوام موجود ہیں۔ ان کا وجود فتنۂ جنگ کے لئے مستقل دعوت ہے۔ اس فتنہ کا استیصال وحدتِ انسان اور تخریبِ اقوام میں ہے۔ بعینہٖ پاکستان کا استحکام وحدت اور تخریبِ احزاب میں ہے۔ اگر متفرق احزاب بظاہر پرامن بھی رہنا گوارا کر لیں تو وہ امن ہنگامی اور غیر متوقع ہو گا۔ اس سے صالح نظام متشکل و جاری نہیں ہو سکتا۔ حکومت تو آخر ایک پارٹی کی ہو گی اور وہ قدرتی طور پر اپنی پارٹی کے حق میں جانبدار ہو گی۔ وہ متفرق پارٹیوں میں کبھی توازن نہیں رکھ سکے گی۔

بین الاقوامی سیاست کو پھر سامنے لائیے۔ وہاں جنگ کو ناممکن بنانے کی یہ صورت ہے کہ قوموں کا تشخص اور انفرادیت ختم کر دی جائے اور ایک مرکزی مقننہ ایسی ہو جو تمام کرۂ ارض پر بلا امتیاز، یکسانیت سے حکومت کرے۔ یعنی تمام عالم ایک قوتِ مقننہ و نافذہ کے ماتحت ہو اور بین الاقوامی امتیازات ختم ہو جائیں۔ اس نقطۂ نگاہ سے جداگانہ قومی سلطنتیں امنِ عالم کے لئے مستقل خطرہ ہو جاتی ہیں۔ بہر کیف یہ علیحدہ بحث ہے جس کی طرف اس وقت ہم توجہ نہیں دے سکتے۔

یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ انسان ایک وحدت ہے۔ فلہٰذا اس کا اجتماعی نظام اسی اصل پر استوار ہو سکتا ہے اور اسی کی بدولت متوازن رہ سکتا ہے۔ قومی وحدتیں اور حکومتیں جو موجودہ دورِ تاریخ و تہذیب میں ناگزیر سی نظر آتی ہیں، نہ ناگزیر ہیں نہ اٹل۔ وہ ختم ہو کر رہیں گی۔ بہر حال جب تک وہ باقی ہیں ان کا اندرونی توازن لہٰذا قومی امن جب برقرار رہ سکتا ہے کہ ان کے افراد جملہ امورِ عمرانی میں یکساں طور پر آزاد ہوں۔ یعنی ایک کی آزادی سے دوسرے کی آزادی پر زد نہ پڑے۔ قومی وحدت میں ایک سیاسی پارٹی کا وجود ارکانِ پارٹی کو چند امتیازات عطا کرتا ہے جو غیر ارکان کو حاصل نہیں ہوتے۔ اسی طرح متعدد پارٹیوں کا وجود صحیح جذبۂ مسابقت کو فاسد اور تخریبی جذبۂ تقابل سے بدل دے گا جس سے باہمی قوتِ تعمیر و ترقی

کی بجائے تخریب و بربادی پر صرف ہوگی۔ مغرب اسی مذموم تحزب کے ہاتھوں نالاں ہے۔ بین الاقوامی جنگیں اور متعدد اندرونی معائب اسی شجرِ خبیثہ کے منحوس ثمر ہیں۔ کیا ہم جان بوجھ کر ہلاکت میں پڑیں گے؟ پھر اس بنیادی فرق کو نہ بھولئے جو اقوامِ مغرب اور قومِ رسولؐ ہاشمی کے درمیان ہے۔ اقوامِ مغرب کے پیشِ نظر ہنگامی قومی یا بین الاقوامی مسائل ہیں۔ وہ انہیں اپنے مصالح اور وقتی تقاضوں کے مطابق حل کرتی ہیں۔ اس کے برعکس مسلمان کے پیشِ نظر غیر متبدل انسانی اقدار ہیں۔ لہذا ان کے نظامِ اجتماعی کی اساس بھی فطرت کے غیر متبدل قوانین پر ہوگی۔ لہذا مغرب کا عمل مسلمان کے لئے عبرت ہو سکتا ہے حجت نہیں ہو سکتا۔ اب جبکہ ہمیں اپنا قطعۂ ارض ملا ہے تو آیئے غیر قدرتی، غیر انسانی امتیازات کا روزِ اول سے ہی قلع قمع کر دیں۔[1]

بیا کہ شل غنیل ایں طلسم در شکنیم
کہ جز تو ہر چہ دریں دیر دیدہ ام صنم است

وزیرِ اعظم پاکستان کا فرمان

سطور بالا لکھی جا چکی تھیں کہ ہمارے سامنے محترم لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان، کی وہ تقریر آئی جو آپ نے ۱۴ اگست کی شام کو ریڈیو پاکستان کراچی سے نشر فرمائی۔ اس میں آپ نے بجا طور پر مسلم لیگ کی خدمات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:۔

لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آج ہم میں سے بعض نے یہ سوچنا شروع کر دیا ہے کہ چونکہ مسلم لیگ نے اپنا مقصد حاصل کر لیا ہے اور اس کا مطالبہ پورا ہو چکا ہے، اب اس کے باقی رکھنے کی ضرورت نہیں رہی۔

میری اپنی رائے اس سے بالکل مختلف ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلم لیگ جسدِ ملت میں بمنزلہ روح کے اور اس کا خاتمہ جماعتی روح کا خاتمہ ہے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ محترم وزیر اعظم کا اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے لیکن چونکہ ہم خود ملت میں پارٹیوں کی ضرورت نہیں سمجھتے اس لئے ہم تھوڑی سی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔ طلوعِ اسلام کی ہندی زندگی کا ایک ایک لمحہ مطالبۂ پاکستان کی تائید اور مسلم لیگ کی خدمت میں صرف ہوا۔ طلوعِ اسلام مسلم لیگ کے لئے اس زمانہ میں سپر بنا جب اسے ایسی سپر کی اشد ضرورت تھی۔ طلوعِ اسلام کی تائید و حمایت کسی ذاتی غرض یا دنیاوی مفاد کی خاطر نہ تھی بلکہ بالکل علیٰ وجہ البصیرت تھی اور اس ایمان پر مبنی کہ مسلمانانِ ہند کی ہی نہیں بلکہ مسلمانانِ عالم کی تقدیر پاکستان سے وابستہ ہے۔ قیامِ پاکستان سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے متعلق ہمارے عقیدہ اور مسلک میں قطعاً کوئی تزلزل نہیں آیا۔ لیکن جس بصیرت نے ہمیں ہند میں مسلم لیگ کی پشتیبانی پر آمادہ کیا تھا، آج وہی بصیرت ہم سے مختلف تقاضا

---

[1] طلوعِ اسلام نے اس نظریہ کی ابتدا اس مضمون سے کی تھی جو مئی کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کو پمفلٹ کی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے جو ۲ر فی نسخہ کے حساب سے مل سکتا ہے۔

کر رہی ہے۔ ہندوستان میں کاروانِ ملت تیار ہو رہا تھا، سامان اکٹھا ہو رہا تھا، خیمے باندھے جا رہے تھے آج "پیش آہنگ" اس منزل سے نکل چکا ہے۔ کاروانِ ملت جادہ پیما ہو چکا ہے۔ ہم اس خوب تر منزل کی طرف رواں ہو رہے ہیں جو پیہم سفر ہے۔ اس میں منزل (سکون) نہیں۔ اس کے سفر میں منزل کی آسائش اور منازل میں غر کی حرکت و لذت ہے، اب پرانے تقاضے بدل گئے۔ وہ پہلی ضروریات غیر ضروری ہو گئیں۔

ان بدلے ہوئے حالات میں ہم نے جو نظریہ پیش کیا ہے وہ مسلم لیگ کی بدخواہی پر مبنی نہیں۔ اس کی لم یہ ہے کہ ملت فی ذاتہ ایک پارٹی ہے اس میں مزید پارٹیوں کی ضرورت نہیں۔ زیر نظر مضمون اور سابقہ مضامین اسی حقیقت کے حامل ہیں۔ ہم مسلم لیگ کی خدمات جلیلہ کا انکار نہیں کرتے۔ اس کا ہم نے بارہا کشادہ دلانہ اعتراف کیا ہے۔ خود تاریخ مسلم لیگ کے کارنامے کو اپنی لافانی آغوش میں ابدی جگہ دے گی۔ ملت لیگ کے کارنامہ پاکستان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ یہ ملت جس پر عشرت منزل حرام تھی، اس نے ہزار سال کے بعد پھر رخت سفر باندھا ہے۔ مسلم لیگ کی بانگ درا ملت کے کانوں میں ہمیشہ گونجتی رہے گی اور اس کے جمود کے لئے حرکت کا پیغام رہے گی۔ اندریں حالات ہم نے جو نظریہ پیش کیا ہے اس کی حیثیت یہ ہے کہ جنگ کی نوعیت بدل جانے سے حربے بھی بدل جانے چاہئیں جب پرانے حربوں کو تبدیل کیا جاتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان حربوں کو برا سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی افادیت ختم ہو چکی ہے۔ مسلم لیگ کیا تھی؟ ملت اسلامیہ ہند! کیا آپ نے بارہا یہ نہیں منوایا کہ ملت اور مسلم لیگ ایک ہیں اور یہ دس کروڑ مسلمانانِ ہند کی واحد ترجمان ہے؟ تو گویا ملت اسلامیہ نے ہندوستان میں محسوس کیا کہ اسے ایک نمائندہ جماعت کی وساطت سے منزل مقصود حاصل ہو سکتی ہے۔ اُن حالات میں ملت کا مرکز اسی قسم کی ہی ایک جماعت بن سکتی تھی۔ نیز ہندوستان میں مسلم لیگ **مرکزِ ملت** تھی۔ پاکستان میں مرکزِ ملت حکومتِ پاکستان ہے۔ ملت کو ضرورت **مرکز** کی ہوتی ہے نہ کہ پارٹی کی۔ اور آزاد ملت کا مرکز سوائے حکومت کے اور کوئی نہیں ہوتا ایک دائرہ کا ایک ہی مرکز ہو سکتا ہے۔ ملت کی وفاداری کا مرجع بھی ایک مرکز ہو سکتا ہے۔ دو مرکزی بے مرکزیت کی تمہید ہے۔ ہم مسلم لیگ کو ختم کر دینے کا مشورہ دے کر ملت کو اسی بے مرکزیت کے عظیم فتنہ سے آگاہ کر رہے ہیں۔ ملت اس وادی طغیان سے بمشکل نکل پائی ہے۔ اس کا ذہن اس فضا سے نکل نہیں سکا۔ یہی وجہ ہے کہ معبود حقیقی کے میسر آجانے پر بھی وہ اس صنم خاکی کی پرستش کو ترک نہیں کر سکتی۔ اس کا خود کاشتہ پودا تناور درخت بن چکا ہے اور وہ نادانی سے اسی ننھے پودے کو ڈھونڈ رہی ہے۔ صحیح تر الفاظ میں مسلم لیگ ختم نہیں ہوئی۔ وہ وسیع تر ہو کر ترجمان ملت سے خود ملت بن گئی ہے۔ وہ وہ مرکزِ ملت نہیں رہی کہ کوئی نام نہاد مسلمان اس کی مرکزیت سے کٹ بھی جائے اور مسلمان رہے۔ وہ مستقل مرکزِ ملت بن گئی ہے۔ ایسا مرکزِ ملت جس سے بیزاری غداری ہے اور جس سے علیحدگی موجب عذاب جہنم۔

ہمارے نظریہ کا ماحصل یہی ہے۔ اسی کو ایک عرصے سے ہم پیش کر رہے ہیں۔ لیکن آج تک مسلم لیگ اس نظریہ کے متعلق خاموش ہے۔ چودھری خلیق الزماں یا کسی اور مسلم لیگ کے موید نے اس کے متعلق براہ راست

ایک لفظ تک نہیں کہا۔ ہم منتظر ہیں کہ ہم ان کی رائے جانیں اور اس کی روشنی میں اپنے استدلال کو جانچیں۔ یا ارباب لیگ ہماری گذارشات کی روشنی میں اپنی روش کو پرکھیں۔ محترم وزیر اعظم نے بھی کھل کر بات نہیں کی۔ اتنے اہم مسئلہ سے متعلق اشاروں اور کنایوں سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہم ارباب لیگ کو پھر دعوت دیتے ہیں کہ وہ ہماری معروضات پر کہ فرداً فرداً ان کی خدمت میں پہنچائی جا چکی ہیں، ٹھنڈے دل سے غور کریں اور پارٹی بازی سے بلند ہو کر بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جائیں۔

ہمارے ہاں عام انداز گفتگو یہ ہے کہ اس قسم انقلابی اقدامات تدریجی ہوتے ہیں۔ یہ گفتگو در اصل قصور فہم کی غمازی کرتی ہے۔ ملت کو ایک پارٹی تدریجاً نہیں سمجھا جائیگا بلکہ یہ قدم اول ہے اگر اسے تدریجاً قبول کیا گیا تو ہمارا ہر قدم غلط سمت کی جانب اٹھے گا اور ہم منزل مقصود سے دور ہو جائیں گے۔ روس نے ایک پارٹی کا تجربہ کیا تو نتیجہ پارٹی آمریت میں نکلا۔ ترکی نے قریباً بائیس سال تک ایک سرکاری پارٹی کو روا رکھا اور بالآخر اسے دوسری پارٹی کی اجازت دینا پڑی۔ لیکن اس اجازت سے ایک نئے فتنے کا آغاز ہو گیا ہے کیونکہ حزب مخالف کی راہ میں موانعات پیدا کی جا رہی ہیں۔ ہم نے بھی اگر غلط تجربہ کیا اور صحیح اقدام نہ کیا تو نتائج یقیناً خوشگوار نہیں ہوں گے۔ اور جب ظہور نتائج کا وقت آیا تو اس وقت مسلم لیگ اس طوفانِ ہلاکت کو ہرگز روک نہیں سکے گی۔

ایک بار پھر سن لیجئے کہ ہماری معروضات جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، کیا ہیں۔ ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ اب پاکستان کے تمام مسلمان ایک جماعت کے افراد ہیں اور ایک ہی پارٹی کے ممبر ہیں۔ ان کا پاکستانی مسلمان ہونا اس جماعت کی رکنیت کی دلیل اور اس پارٹی کی ممبری کا "فارم" ہے۔ اس جماعتِ مسلمین کے اندر ایک اور جماعت (یا پارٹی) کا وجود، جماعت میں تفرقہ اور انتشار کا موجب ہے۔ اگر آپ اس پارٹی کے ممبروں کو "مسلم لیگی" کہیں گے تو باقی کروڑوں مسلمانوں کو، جو مملکتِ پاکستان کے اسی طرح بہی خواہ ہیں جس طرح "مسلم لیگ" کے فارم پر دستخط کرنیوالے مسلمان، آپ کیا کہہ کر پکاریں گے؟ اور اگر آپ جماعتِ اسلامیہ پاکستانیہ کے اندر ایک پارٹی (مسلم لیگ) کی تشکیل کی اجازت دینگے تو آپ دوسری پارٹیوں کو وجود میں آنے سے روک نہیں سکیں گے۔ لہٰذا مسلم لیگ کا وجود بلا مقصد ہے اور ملت میں مختلف پارٹیوں کے وجود کا پیش خیمہ (بلکہ) ایک بہت بڑے فتنہ کا دروازہ۔ مسلم لیگ کے بے مقصد وجود کو ختم کیجئے اور پھر قانونی اعلان کر دیجئے کہ ملت اسلامیہ پاکستانیہ ایک جماعت عظیم ہے جس کے اندر کسی پارٹی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یہ ہیں ہماری معروضات جسے ہم ایک عرصہ سے دہرا رہے ہیں اور جن دلائل پر یہ مبنی ہیں ان کی تردید کسی گوشے سے آج تک نہیں ہو سکی۔ وھذا من فضل ربی۔

(بعض احباب کا تقاضا ہے کہ اس نئے نظریہ کو جسے طلوع اسلام پیش کر رہا ہے مقبول و ہمہ گیر کرنے کیلئے ایک پارٹی کی داغ بیل ڈالی جائے۔ طلوع اسلام اس تجویز کو قبول نہیں کر سکتا۔ وہ پارٹیاں ختم کرنے کیلئے ایک نئی پارٹی بنانے پر تیار نہیں۔ جہاں تک اس نظریہ کی نشر و اشاعت کا تعلق ہے طلوع اسلام اپنا حلقہ رکھتا ہے۔ اس زرخیز زمین میں یہ تخم بو دیا گیا ہے اور یہی کسی دن شجرۂ طیبہ بن جائیگا جو اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء کی تفسیر ہو گا۔

اس میں شبہ نہیں کہ طلوع اسلام ایک بے سر و سامان غریب فقیر کی سی آواز دکھائی دیتا ہے لیکن اس میں مایوسی کی کوئی وجہ نہیں اس کی آواز حق و صداقت کی آواز ہے جو اپنی کامیابی کا راز خود اپنے اندر رکھتی ہے۔

اگرچہ عقل فسوں پیشہ لشکرے انگیخت   تو دل گرفتہ نہ باشی کہ عشق تنہا نیست)

آزاد پاکستان کی عید

آزاد پاکستان، جو اگر فی الحال اسلامی حکومت نہیں تو اسلامی حکومت بننے کا مدعی ہے، اس نے رمضان کیسے گزارا اس کا جائزہ سابقہ اشاعت میں لیا جا چکا ہے۔ اب ملاحظہ کیجئے کہ اس سب سے بڑی آزاد اسلامی ریاست کے مرکز میں عید کا دن کیسے منایا گیا۔ رمضان کا چاند دیکھنے کے سلسلہ میں "تخت و مصلے" نے جو علمی مذاق مجلس علماء کی شکل میں کیا تھا اس کا اعادہ اس موقع پر بھی کیا گیا۔ رمضان کے چاند کی پہلی اطلاع پشاور وغیرہ یعنی بیرون کراچی سے آئی تھی۔ چاند بیچارہ بھی رمضان کا تھا، اس کے لئے اتنا تفحص کون کرتا۔ ویسے بھی تنہا علماء کے پاس تحقیقی اور تصدیقی ذرائع مفقود تھے، چنانچہ مجلس علماء "دیکھا کہ وہ ملتا نہیں . . . ." کے مصداق خاموش رہی اور کچھ فیصلہ نہ دیا۔ اس لامرکزیت سے کراچی اور مضافات کے بعض اصحاب نے یہ خبر سن کر کہ پشاور میں چاند ہو گیا ہے روزہ رکھ لیا۔ اکثریت نے البتہ "شک کا فائدہ" اٹھایا اور دوسرے دن برای العین چاند دیکھ کر روزہ رکھا۔ ہلال عید کے موقع پر کراچی کا مطلع ابر آلود تھا جس سے رویت سے متعلق عمومی مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ مجلسِ علماء بھی علی ہذا القیاس ناکام و ناامید ہو گئی۔ حسن اتفاق سے منوڑہ اور کیماڑی میں بعض اصحاب نے چاند ڈھونڈ ہی لیا۔ میمن مسجد میں کہ مجلس علماء کا مرکز تھا ایک صاحب آئے اور انھوں نے شہادت دی کہ انھوں نے بچشم خود چاند دیکھا ہے۔ ان پر سنا ہے کہ علماء کی جانب سے اعتراض ہوا کہ چونکہ آپ کے ڈاڑھی نہیں ہے لہذا آپ کی شہادت غیر معتبر ہے۔ اس پر جب علماء کو یہ جواب ملا کہ جن کے حکم سے آپ کو یہ مقام میسر آیا ہے ان کے بھی ڈاڑھی نہیں ہے تو مکمل خاموشی چھا گئی۔ بعد میں منوڑہ اور کیماڑی میں جا کر تصدیق کی گئی اور نصف شب گزرے یہ اعلان کرایا گیا کہ صبح کو عید ہو گی۔

ہم علماء کے تفرد و تحقیق پر تبصرہ کر چکے ہیں، قارئین کرام اسے پیش نظر رکھیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رمضان کے موقع پر یہ تحقیق کیوں نہ ہو سکی جو عید کے موقع پر ممکن ہو گئی۔ کیا اس کی محض وجہ یہ ہے کہ رمضان کا چاند بیرون کراچی دیکھا گیا اور علماء بے بس تھے کہ وہاں سے تحقیق و تصدیق کرائیں (ریڈیو، ٹیلیفون، تار وغیرہ پر ایسی اطلاع آتی تو مخبر کی ڈاڑھی کا ثبوت کیسے ملتا؟) کیا عید کے چاند کی تحقیق اس لئے کی گئی کہ یہ عید کا چاند تھا یا یہ کراچی کی حدود میں دیکھا گیا اور وہاں جا کر تصدیق ممکن العمل تھی؟ ہم حسن ظن سے کام لیتے ہوئے پہلی شق کو خارج از بحث قرار دیتے ہیں۔ قرین عقل صورت یہی ہے کہ علماء پشاور سے تصدیق نہیں کرا سکتے تھے، لہذا

وہ خاموش رہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ علماء کے تحقیق و تصدیق ذرائع مقامی اور محدود ہیں؟ ان کے مقابلے میں حکومت کے ذرائع کم از کم ساری مملکت کو محیط ہیں؟ وہ ڈھاکہ اور پشاور سے معتبر اور مصدقہ اطلاعیں منگوا سکتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو کیا وجہ ہے کہ یہ معاملہ ایک ایسی جماعت کے سپرد کیا جائے جس کے ذرائع ایک شہر تک محدود ہوں؟ چاند دیکھنا آنکھوں کا ہی تو کام ہے۔ ڈاڑھی سے بصارت میں تو اضافہ نہیں ہو جاتا (چاند دیکھنے میں مدد ہی ملتی ہے اور پھر یہ قید بھی مستقل نہیں کہ دو یا چار گواہ ہوں۔ ہم اپنے حالات کے مطابق اپنے قاعدے اور معیار قائم کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے یہ قاعدے مقرر کئے تھے وہ بھی ہماری طرح انسان تھے۔ ھم رجال ونحن رجال۔ انہوں نے اپنے عہد کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا اور قواعد و ضوابط مرتب کئے ہم اتباع و تقلید پر مکلف کیوں؟ یہ قرآن کے اٹل فیصلے نہیں، انسانوں کے بنائے ہوئے ضوابط ہیں۔ ہم بھی ان کی طرح علم اور تجربہ سے کیوں فائدہ نہ اٹھائیں اور کیوں ماحول سے مطابقت نہ کریں؟

رمضان اور عید کے چاند ہمارے لئے ہمیشہ ایک عقدہ رہے ہیں۔ اکثر ان کی رویت سے متعلق اختلاف رہتا ہے۔ پاکستان کی حدود کو لیجئے۔ یہ ناممکن ہے کہ پشاور میں چاند ہو تو کراچی یا ڈھاکہ میں نہ ہو۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ گہرے ابر رویت ہلال میں حارج ہو جائیں تو اندریں حالات حکومت کو ایسا انتظام کرنا چاہئے کہ مملکت کی حدود میں سب کا یکساں عمل ہو۔ حکومت کا اپنا عدالتی نظام موجود ہے جو موقع پر شہادت لیکر فیصلہ کر سکتا ہے کہ اطلاع صحیح ہے یا غلط۔ یہی "صحیح" اطلاع فقہ کی "معتبر" اطلاع متصور ہوگی۔ ہمارے پاس فلکی اندازے اور حسابات موجود ہیں۔ ہم ستاروں کی ہزاروں سال بعد کی گردش سے متعلق پیشین گوئی کر سکتے ہیں کیا اس حساب سے پہلے نہیں ہو سکتا کہ فلاں شام کو چاند ہوگا؟ ایسا حساب کر کے مزید تسلی کے لئے مقررہ شام کو چاند دیکھ کر اس کی تصدیق اور صحت کی جا سکتی ہے۔ اول تو یہ حساب ہی صحیح ہوگا، لیکن مزید تصدیق بھی کی جا سکتی ہے۔ تصدیق کے لئے ضروری ہے کہ مملکت کے کونہ کونہ سے اطلاعیں آئیں۔ نیز رویت کے لئے سائنسی آلات کا استعمال ہونا چاہئے تاکہ تذبذب اور شک کی مطلقاً گنجائش نہ رہے اور قوم ہر سال دو بار کی بدمزگی اور عملی بے مرکزی سے محفوظ ہو جائے۔

ہم حکومت سے ایک بار پھر التماس کرتے ہیں کہ وہ ان معاملات کو عقل و دانش سے حل کرے، نہ کہ ان ان قواعد کی رو سے جو عہد ماضی میں متشکل ہوئے اور در حقیقت اسی عہد کے لئے قابل عمل تھے جس جس عہد میں ان کی تشکیل ہوئی۔ وہ غیر متبدل اور اٹل نہیں۔ انسان نے صدیوں میں جو علمی ترقی کی ہے آپ اس کا مذہب کے نام پر کیوں بطلان کرتے ہیں اور اس سے کیوں متمتع نہیں ہوتے؟ اندازہ کیجئے اس سے ہمارے معاملات کس قدر سہل ہو جاتے ہیں۔

خیر، آدھی رات گئے عید کا اعلان ہوا۔ شہر میں کوئی مناسب جگہ نہ ہونے سے یہ انتظام کیا گیا کہ عید کی نماز کے۔ جی گراؤنڈ (واقع محمد علی جناح روڈ نزد نمائش گاہ) میں پڑھی جائے گی۔ اس نماز کی حیثیت سرکاری

بانیم سرکاری تھی۔ امام شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی تھے اور وزیرِ اعظم پاکستان اور دیگر اعاظم رجال نے بھی یہیں نماز ادا کی۔ اس عیدگاہ کا منظر انتشار و عدم مرکزیت کا عبرتناک مرقع تھا۔ توقع کی جا سکتی تھی کہ چونکہ اس موقع پر غیر ملکی نمائندے بھی شریک ہوں گے اس لئے کم از کم ظاہری انتظام تسلی بخش ہوگا۔ اعلان کے مطابق لاؤڈ سپیکر (مکبر الصوت) کا انتظام خطبہ کے لئے تھا، نماز کے لئے نہیں۔ یہ فرق ناقابلِ فہم ہے۔ لاہور کی شاہی مسجد میں کئی بار عید کی نماز کے دوران میں بھی لاؤڈ سپیکر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے قرأت کا ایک ایک لفظ اس غیر معمولی ہجوم میں سنائی دیتا تھا لیکن اس آلہ کا استعمال ہنوز بعض علما کے نزدیک ناجائز ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اسے خطبہ کے لئے ہی روا سمجھا گیا اور نماز کے لئے ناجائز۔ ہم حکومت کی توجہ اس امر کی طرف بھی منعطف کراتے ہیں اور اسے مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنی (یعنی مرکزِ ملت کی) ذمہ داریوں کو کما حقہٗ محسوس کرے اور ایسے اجتماعات کو بے کیف اور بے روح بننے سے بچائے۔ لاؤڈ سپیکر عہدِ حاضر کی اشد ضرورت ہے۔ اس سے نہ محض نماز میں خلل نہیں آتا بلکہ عظیم اجتماعات میں یہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ جہاں تک اس نمازِ عید کا تعلق ہے، اعلان کے باوجود خطبہ کے لئے بھی مکبر الصوت کا انتظام نہیں تھا۔ گراؤنڈ میں کوئی منتظم کارکن نہ تھا۔ میدان میں قبلہ کی سمت کا اندازہ کرانے کے لئے کافی فاصلے پر چونے کی لکیریں کھینچ دی گئی تھیں۔ نمازیوں نے اس سے یہ سمجھا کہ شاید صفیں انہی خطوط پر باندھنی ہیں۔ چنانچہ درمیان کی ساری جگہ خالی چھوڑ کر صفیں بنائی گئیں۔ کوئی منتظم اس راہنمائی کے لئے موجود نہ تھا کہ نمازی کہاں بیٹھیں اور کیسے بیٹھیں۔ جب قیام ہوا ہے تو اگلی صفوں والے شور مچا رہے تھے کہ حضرات آگے آ جائیے جگہ خالی پڑی ہے۔ یہ شور صدا بہ صحرا ثابت ہوا اور لوگ جہاں تھے وہیں رہے۔ چونکہ مکبر الصوت کا انتظام نہیں تھا اور کوئی راہنمائی کرنے والا موجود نہ تھا اس لئے ایک مرتبہ تمام نمازی بہ غرض نماز کھڑے ہو گئے اور بعض نے نماز کی نیت بھی باندھ لی۔ لیکن کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا کہ نماز میں دیر ہے۔ وجہ اس لئے کہ اس وقت تک ایک قائد تشریف نہیں لائے تھے۔ چنانچہ لوگ بیٹھ گئے اور کچھ دیر کے بعد پھر نماز کے لئے اٹھے۔ اتنے بڑے مجمع میں مکبر الصوت کے نہ ہونے سے جو ابتری ہو سکتی ہے اس کا تصور بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ مکبر الصوت کے نہ ہونے سے کم از کم اتنا تو کیا جا سکتا تھا کہ مناسب جگہوں پر تکبیر کہنے والے مقرر کر دیئے جاتے، لیکن منتظمین نے مطلقاً ادھر توجہ نہیں دی۔ چنانچہ جس کا جہاں جی چاہا اس نے تکبیر کہہ دی۔ نماز کی عمومی فضا سے متعلق یہی کہہ دینا کافی ہے۔

"صفیں کج دل پریشاں، سجدہ بے ذوق"

نمازِ عید کو یوں تو ایسی کانفرنس کہا جاتا ہے جس میں ایک شہر کے ہی نہیں بلکہ مضافات کے مسلمان شریک ہوتے ہیں۔ لیکن کراچی میں متعدد مقامات پر نمازِ عید ادا ہوئی۔ طرفہ یہ کہ کے جی گراؤنڈ کہ جس میں نیم سرکاری طور پر نمازِ عید کا بندوبست کیا گیا اس سے کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک اور نمازِ عید ادا ہوئی۔ اس جامع مسجد کے امام صاحب نے جمعۃ الوداع کو علیحدہ نمازِ عید کے انتظام کے جواز میں یہ عذرِ لنگ پیش کیا کہ مسجد کی مجلسِ منتظمہ

اتنے قلیل وقت میں نمازِ عید سے متعلق انتظامات کو منسوخ نہیں کر سکتی۔

کراچی میں بدنظمی اور عدم ضبط کا افسوسناک مظاہرہ ہوا تو لاہور میں یہ مظاہرہ المناک ہو گیا۔ لاہور کی شاہی مسجد میں عیدین کی نماز ہوتی ہے۔ عید الفطر کے موقع پر تو وہاں بے پناہ ہجوم ہوتا ہے۔ لیکن اس سے پیشتر کبھی یہ منظر دیکھنے میں نہیں آیا تھا کہ محض دروازوں سے باہر نکلتے نکلتے انسان پس کر جان بحق ہو گئے ہوں۔ چوبیس مسلمانوں کا پس کر جان دیدینا اور متعدد کا زخمی ہو جانا المناک بھی ہے اور شرمناک بھی۔ جس قوم میں اتنا ضبط بھی نہیں کہ وہ ایک مسجد کے دروازے سے امن و سلیقہ سے گزر سکے وہ زندگی کے بلند مقامات پر اور کشمکش زیست کی نبرد آزمائیوں سے کبھی سرخرو نہیں ہو سکتی۔ اس حادثہ پر جناب لیاقت علی خاں صاحب اور خواجہ شہاب الدین صاحب نے خان ممدوٹ وزیراعظم مغربی پنجاب کو جو پیغامات بھیجے ہیں ان میں اظہار قلق و وحشت کر کے خواہش کی گئی ہے کہ ان کی تعزیت پسماندگان تک پہنچا دی جائے۔ کتنی رسمی اور سطحی ہمدردی ہے۔ پسماندگان سے ہمدردی قابل فہم ہے۔ لیکن معاملہ یہیں تک ختم نہیں ہو جاتا۔ اس المیہ نے یہ امر مہم ہمارے سامنے پیدا کر دیا ہے کہ اس بدبخت قوم میں نظم و ضبط کیسے پیدا کیا جائے۔ تعمیر ملت کے تقاضوں پر آج تک سنجیدگی سے غور نہیں ہوا اور ہم آزادی کا ایک سال پورا کر چکے ہیں۔ کیا ہم حقیقی آزادی سے ہمکنار ہیں یا موسیٰؑ کی قوم کی طرح دشت پیمائیوں میں سرگرداں ہیں؟ اگر ہم بدستور مترفین (عافیت کوش و سہل انگار) بنے رہے تو ہماری نام نہاد آزادی دشت پیمائی سے زیادہ وقیع نہیں ہوگی۔

ہم چاہتے تھے کہ ہم ان بیانات پر بھی تبصرہ کرتے جو مسلمان ملکوں کے ان نمائندوں نے دیئے ہیں جو اس وقت پاکستان میں متعین ہیں اور جن میں انھوں نے بتایا ہے کہ ان کے ممالک میں عید کیسے منائی جاتی ہے۔ یہ بیانات اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں لیکن آج کی فرصت میں ہم یہی کہنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

تیرے محیط میں کہیں گوہرِ زندگی نہیں
ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف

مجاہد ابو سعید فضل الٰہی صاحب خادم

(عبدالغنی خاں صاحب قصوری۔ مورچہ پیر کینٹمن۔ محاذ پونچھ)

[تخلص سے ہی خادم نہیں بلکہ صحیح معنوں میں خادم، ملت کے مخلص و ایثار پیشہ خادم' لہذا مخدوم' 'سید' ! مجاہد فضل الٰہی کے اسم گرامی سے قارئین طلوعِ اسلام ناواقف نہیں ہوں گے۔ آپ کا مضمون اشاعت جولائی میں داغہائے سینہ کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے جو ان کی وسعتِ علمی، ژرف نگاہی اور سنجیدگی فکر کا آئینہ دار تھا۔ جیسا کہ ہم نے مضمون کے تعارف میں لکھا تھا مولانائے محترم، حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت مومنین و مجاہدین کی باقیات صالحات میں سے ہیں۔ آپ صاحب سیف بھی ہیں اور صاحب قلم بھی، صاحب عمل بھی ہیں اور صاحبِ علم بھی۔ آپ استعمار فرنگ کے لئے کتنا عظیم خطرہ تھے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ پہلی عالمگیر جنگ کے دوران میں آپ نظر بند کر دیئے گئے تھے لیکن جنگ کے خاتمہ پر جہاں دیگر نظر بندوں کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا گیا وہاں آپ کو رہا کر کے نیک چلنی کی ضمانت طلب کر لی گئی اور آپ کی حرکات پر پابندی لگا دی گئی۔ آپ کی آزاد و غیور طبیعت اس ذلت کو گوارا نہ کر سکی۔ چنانچہ آپ گھر سے نکل کر حمر قند پہنچ گئے۔ بعد میں آپ کو۔ ۔ ۔ ۔ دفعہ ۱۲۰ کے تحت مفرور ملزم قرار دیدیا گیا۔ لیکن ۱۹۴۶ء میں پنجاب کے ہوم ممبر (مسٹر میکڈانلڈ) نے اعلان کیا کہ آپ کی مراجعت وطن پر کوئی پابندی نہیں۔

آپ پچھلے دنوں کراچی تشریف لائے ہوئے تھے۔ یہاں سے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سرحد واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ سرراہے وزیر آباد رک گئے۔ وہاں آپ کو ۲ اگست کو گرفتار کر کے ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ آپ کو پھر نظر بند کر دیا گیا ہے۔ حکومت مغربی پنجاب کا یہ کارنامہ از حد شرمناک ہے۔ مولانائے محترم کی خدمات کا تذکرہ اوراقِ آئندہ میں ملے گا۔ اس سے مولانا کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کے خلاف انگریز کے عہد حکومت میں وارنٹ جاری ہوئے تھے جو دو سال ہوئے منسوخ ہو گئے تھے۔ مغربی پنجاب کی "اسلامی حکومت" نے انہی منسوخ شدہ وارنٹوں کی بنا پر مولانا کو گرفتار (اور نظر بند) کیا ہے۔ یہ تعجب اور شرم کا مقام ہے۔ آپ کا وجود پاکستان کے حق میں رحمت ہے۔ ایسے محسن کی آزادی پر ہاتھ ڈالنا غایت درجہ کی احسان فراموشی ہے۔ مولانا

ضعیف العربی۔ اس ضعیفی کے باوجود آپ ان دنوں جہاد کشمیر میں مصروف ہیں۔ آپ کی حرکات پر پابندی لگانا محاذ کشمیر کو کمزور کرنا ہے۔

مغربی پنجاب کی حکومت پبلک احتجاج کے باوجود اب تک گنگ ہے۔ اسے کم از کم یہ تو بتانا چاہیے تھا کہ مولانا پر الزام کیا ہے اور کیوں ان پر قانون کو ہاتھ ڈالنا پڑا ہے۔ ہم مرکزی حکومت کی فوری توجہ اس سنگین معاملہ کی طرف منعطف کراتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس حماقت اور ظلم صریح کی تلافی کرے۔ ملت کا حق ہے کہ مغربی پنجاب کی وزارت اس سے معافی مانگے۔

[-مدیر-]

جنگ طرابلس (۱۹۱۱ء) اور جنگ بلقان (۱۹۱۲ء) کے زخم ہنوز بھرنے نہ پائے تھے کہ ۱۹۱۴ء میں انگریزوں نے ترکوں کے برخلاف براہ راست اعلان جنگ کر دیا جس سے سارے عالم اسلام میں انگریزوں کے خلاف ایک عمومی نفرت اور انتقام کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ برصغیر ہند کے مسلمان اس ہیجان و اضطراب سے خوب متاثر ہوئے۔ ان کے چیدہ چیدہ پیشوایان مذہب جن کے سرخیل شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب تھے۔ حجاز کو ہجرت کر کے چلے گئے تاکہ اپنے اثر ورسوخ سے عربوں اور ترکوں کے اتحاد کو برطانیہ کے مقابلے میں قائم ودائم بنا سکیں نوجوان پارٹی کے نمائندہ ان دنوں کالجوں کے طلبا اور پروفیسر تھے، ان کے چودہ سرگروہ نمائندے سرحد پار چلے گئے تاکہ قبائل آزاد اور دولت افغانستان کو حکومت ہند کے برخلاف آمادہ جنگ کریں۔ حکومتِ ہند ان حالات سے ایسی متوحش اور حواس باختہ ہو گئی کہ بغیر سوچے سمجھے ادنیٰ سے ادنیٰ شبہات پر مسلمانوں کے کسی مذہبی یا سیاسی لیڈر کو نظربند یا محبوس کئے بغیر نہ چھوڑا۔ اس زمرہ کے اندر وزیرآباد (پنجاب) کی بھی دو جید بزرگ ہستیاں تھیں۔ ایک ان میں سے مولانا ظفر علی خاں صاحب تھے۔ ان کو تو گھر کی چاردیواری کے اندر بند کر دیا گیا۔ دوسرے ایک گمنام شخص مولانا فضل الٰہی صاحب تھے جن کو جیل میں جھونک دیا گیا۔ اول الذکر کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے پہلے جنگ طرابلس اور بلقان کے اندر ترکوں کی ہر طرح کی اخلاقی اور مادی امداد میں پیش پیش حصہ لیا ہے اور اب وہ اس عالمگیر جنگ کے اندر ترکوں کی حمایت میں نہایت جوش آور مضامین لکھ رہے ہیں جن سے ہندوستان میں بغاوت ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ آخر الذکر مولانا فضل الٰہی صاحب پر مندرجہ ذیل الزامات لگائے گئے:-

۱۔ انہوں نے نوجوان طبقہ کے چودہ نمائندوں[۱] کو سرحد پار بھیجا ہے تاکہ وہ خوانین سرحد اور قبائل آزاد

---

[۱] ان میں سے ایک نوجوان سردار احمد خاں نامی حال سفیر مختار دولت افغانستان مقیم برلن۔ سقاوی انقلاب کے دوران میں مفتح کابل سے سرفراز ہوا۔ ایک علامہ ظفر حسن، ان دنوں ترکی میں حربیہ کالج کا پروفیسر ہے۔ شبلی نعمانی کی کتاب الفاروق کا ترجمہ آپ ہی نے حکومت ترکیہ کے ایما پر ترکی زبان میں کیا ہے۔

ایک شخص کے ہاں سے کچھ اسلحہ برآمد ہوا اور اس کا الزام مولانا فضل الٰہی پر عائد کیا گیا۔ چنانچہ آپ کو دفعہ 12/5 اور 308 کا مفرور قرار دے دیا گیا۔ مقامی پولیس اس دوران میں ہمیشہ ان کے رشتہ داروں اور ان کے دوستوں سے ان کی بابت دریافت کرتی رہی۔ مگر وہ ہندوستان میں داخل ہونے سے پرہیز کرتے رہے اور ان کے ہاتھ نہیں آئے۔

آپ نے پاکستان کے قیام اور اس کی تعمیر میں چمرقند بیٹھے خوب حصہ لیا۔ پٹھانستان تحریک کے قیامت نما خطرے کا آپ نے بروقت انسداد کیا۔ تحریک پٹھانستان جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے پاکستان پر دوسری جانب سے حملہ کی تیاری تھی۔ وہ یوں کہ افغانستان اور فقیر ایپی کی سرپرستی میں قبائل آزاد شمال مغرب کی طرف سے مشرقی پنجاب کے سکھوں کی ہنوائی میں پاکستانی علاقہ پر حملہ کردیں۔ اگر اس سازش کو خداوند تعالیٰ مولانا موصوف کے ہاتھوں بروقت نہ ختم کراتا تو ظاہر ہے کہ جو نقصان جان، مال، عزت، آبرو کا سکھوں کے ہاتھوں جانب مشرق سے مسلمانوں کو پہنچ چکا تھا وہ اس نقصان کے سامنے جو انھیں شمال مغرب کی طرف سے پہنچتا ا تنا وزن بھی نہ رکھتا جو ایک تنکے کا مقابلہ کوہ ہوتا ہے۔ عنقریب پٹھانستان تحریک کی روئداد چھپ کر منظر عام پر آئے گی تو دوست اور دشمن ہمارے اس بیان کی صداقت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

مولانا کا محورِ عمل سرحدی علاقہ ہی نہیں رہا آپ نے نہ محض استصواب سرحد کو کامیاب بنایا بلکہ استصواب سلہٹ میں پاکستان کو کانگرس، جمعیت العلماء ہند، مومن کانفرنس کے مقابلہ میں جو کامیابی ہوئی اگر اسے تنہا مولانا موصوف کی حسن تدبیر کا نتیجہ قرار دیا جائے تو چنداں مبالغہ نہیں ہوگا۔ اس طرح پنجاب میں خضر حیات وزارت کے توڑنے اور اس کے حریف ممدوٹ کو کامیاب بنانے میں ان کو غیر معمولی دخل ہے۔ جہاد کشمیر کی ابتدا بھی ان کی جماعت کے ہی افراد سے ۵ ر اگست کو کشمیر کی موجودہ آزاد حکومت سے دو ماہ سترہ دن پہلے ہوئی۔ وزیرستان میں جونہی آپ کو افغانستان اور فقیر ایپی کے فتنہ (تحریک پٹھانستان) کو ناکام بنانے سے فرصت ملی آپ نے اپنی بقیہ جماعت مجاہدین چمرقند کے ساتھ پونچھ محاذ میں سردار عبدالقیوم خاں ساکن باغ کی معیت میں سرگرم حصہ لینا شروع کردیا جو اب تک جاری ہے۔ ۸ر جون تک تقریباً چالیس ہزار روپیہ کا سامان خوراک جماعت مجاہدین کیلئے حاجی منور الدین سوداگر چرم کے ذریعہ پونچھ۔ اوڑی کے محاذ پر پہنچایا جاچکا ہے۔ اسی طرح کئی ہزار روپیہ نقد بہاولپور اسٹیٹ کے احباب سے خود ان ہی کے کارندوں حافظ سلیمان چودھری جلال الدین کی معرفت پونچھ اور اوڑی کے پس ماندگان کو بھجوایا گیا ہے۔ اب ان کی زندگی کا منشا و مقصد کشمیر جہاد کو کامیاب بنانا اور چار کروڑ مسلمانوں اور حیدرآباد (دکن) کو ہندو کی قید سے نجات دلانا اور سکھ قوم سے مسلمانوں کے جان و مال کے نقصان کا بدلہ لینا اور سارے مشرکین کو اسلام کا پیغام پہنچانا ہے۔ اس مقدس کام پر آپ نے اپنی تمام قوت ظاہری اور باطنی کو وقف کر رکھا ہے اور اپنے آبائی گھر یعنی وزیرآباد میں مستقل طور پر آباد ہونے کا ہرگز ارادہ نہیں جب تک کہ مقصد پورا نہ ہو جائے۔ ان ہی اسلامی خدمات کے ذیل میں سرراہے ایک دورات کے واسطے وہ بھی خطوط کا جواب دینے کے لئے اگر گجرات کی صورت میں ٹھہر گئے تو دوسری بات ہے۔ آپ حال ہی میں بعض اسلامی

سلطنتوں کے وفود سے انکی دعوت پر ملنے کو کراچی گئے وہاں ان کو اطلاع ملی کہ آپ کا شاگرد رشید ملک گل ضمیر خاں[سلہ] محمود خیل حجر قندی معہ اپنے رفقاء کے اوڑی محاذ پر بہت سے مشرکین کو واصل جہنم کر کے شہید ہو گیا ہے۔ آپ جلد سرحد آزاد میں پہنچے اور اس مرحوم کی اولاد کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ دوسری اطلاع یہ ملی کہ سردار عبدالقیوم خاں کمانڈر باغ فورسز (عساکر) نے جو ایک ہزار تربیت یافتہ سپاہی آپ کی عقیدت مند قوم کرڈال سے طلب کئے ہیں ان میں سے پہلا قافلہ دو سو جوانوں کا تیار ہو چکا ہے ان کو مسلح کرانے کے لئے آپ کو جلد کوہالہ بلایا گیا۔ یہ نفری پونچھ کے کوہ کافر اور پیر کنٹھن کے مورچوں کے لئے مطلوب تھی۔ آپ اس حال میں کراچی سے واپس آرہے تھے کہ راستہ میں ڈاک کا جواب دینے کے لئے وزیر آباد اتر گئے۔ نہ معلوم پولیس کس مدت سے آپ کے تعاقب میں تھی ۲۶ جولائی کو انسپکٹروں کی سرکردگی میں پولیس نے آپ کے گھر کو گھیر لیا۔ سپاہی کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی مگر پولیس کے افسر آپ کو دیکھتے ہی کچھ ایسے متاثر ہوئے کہ آپ کو عزت کے ساتھ اپنے ہمراہ لیکر ڈی۔ ایس۔ پی کے سامنے لے گئے، جس نے دوسرے دن گوجرانوالہ کے ڈپٹی کمشنر کے سامنے پیش کر کے مبلغ تین ہزار کی ضمانت پر آپ کو مقدمہ کے خاتمہ تک واپس جانے کی اجازت دیدی۔

یہ افسوس کا ہی نہیں بلکہ شرم کا مقام ہے کہ مغربی پنجاب کی حکومت نے مولانا موصوف ایسے بے غرض دوست کی آبرو پر ہاتھ ڈالا اور ان کو زیر دفعہ 5/20 و ۳۰۲ گرفتار کیا۔ اب ان پر مقدمہ چلانے کی تجویز ہے مولانا کی دشمنی تو برطانیہ کے ساتھ تھی نہ کہ پاکستان کے ساتھ۔ مولانا موصوف کا اکلوتا لڑکا اپنے چچا کے گھر رہتا ہے اور شروع وقت سے پونچھ کے محاذ پر سردار عبدالقیوم خاں بریگیڈیر کے ساتھ مل کر کام کر رہا ہے۔ مولانا پر کسی قسم کی پابندی سے جہاد کشمیر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔

[کاپیاں پریس میں جا رہی تھیں کہ خبر ملی کہ حکومت نے مولانا فضل الٰہی صاحب پر سے پابندیاں ہٹا دی ہیں۔ یہ امر مسلمانان پاکستان کے لئے باعث اطمینان و مسرت ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ حکومت نے غلطی کی تلافی کر دی۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ حکومت آئندہ کے لئے ازیں قسم اقدامات میں مزید احتیاط برتے گی۔

طلوع اسلام]

سلہ نواب بہادر یار جنگ بہادر مرحوم حیدر آباد دکن نے ملک موصوف کے لڑکے ہارون رشید خاں نامی کو ۱۹۴۱ء میں اپنا متبنیٰ بنایا تھا۔

علاج الامراض

بنی اسرائیل نے جب درخواست کی کہ ان کا کوئی امیر مقرر کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے حضرت طالوتؑ کو منتخب فرمایا۔ انھوں نے اس پر اعتراض کیا کہ اس کے پاس دولت کے خزانے نہیں، اس لئے اسے امارت کے لئے کس طرح منتخب کیا گیا ہے! اس پر ارشاد ہوا کہ امارت کے لئے جن خصوصیات کی ضرورت ہے وہ اس میں موجود ہیں اس لئے وہی اس منصب جلیلہ کے لئے موزوں ترین شخصیت ہے۔ وہ خصوصیات کیا تھیں۔ ارشاد ہوا۔

وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (۲۴۷/۲)

اور اللہ نے اسے علمی اور جسمانی قوتوں میں بہت فراخی عطا فرمائی ہے۔

غور فرمائیے۔ ان دو الفاظ (علم و جسم) کے اندر قرآن کریم نے کس طرح انفس و آفاق کی خصوصیات سمیٹ کر رکھ دی ہیں۔ علمی فوقیت اور جسمانی قوت، یہی ہیں وہ دو پہیے جن پر انسانی ہیئت اجتماعیہ کی پوری گاڑی رواں دواں، جانبِ منزل جاری ہے۔ یہی ہیں وہ دو بازو جن پر قوموں کے شاہینِ اوج واقبال کہکشاں گیر و ثریا بوس ہو رہے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی کمزور ہو جائے تو وہ قوم زمین سے سر نہیں اٹھا سکتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ علم سے مفہوم وہ تمام صلاحیتیں ہیں جن سے انسانی فکر ترتیب پاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب انسانی فکر، فطرت کے اصولوں کے مطابق، رہ کشا ہو تو اس کا لازمی نتیجہ شرفِ انسانیت کا ارتقاء و عروج ہوتا ہے۔

لیکن تنہا فکرِ انسانی کوئی نتیجہ مرتب نہیں کر سکتا جب تک اس فکر کے نتائج کو عملی پیکر نہ دیا جائے اور یہ عملی پیکر، مادی قوتوں کے بغیر ناممکن ہے۔ ان مادی قوتوں (Physical powers.

کو قرآن نے جسم کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔ جامعیت کے علاوہ، یہ لفظ اس لحاظ سے بھی موزوں ترین ہے کہ یہ مادی قوتوں کی اس منزل کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اُن کا نقطۂ آغاز ہے۔ یعنی خود جسمِ انسانی۔ دنیا کی کوئی قوم، فکری اور مادی طور پر کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ جب تک اس قوم کے افراد کی جسمانی توانائی صحیح نہ ہو۔ ذرا دنیا کی زندہ قوموں پر نگاہ ڈالئے اور دیکھئے کہ وہ اپنے افراد کی جسمانی صحت کا کس قدر خیال رکھتی ہیں۔ بچپن سے لے کر (بلکہ یوں کہئے کہ پیدائش سے بھی پہلے، حالتِ جنین سے شروع کر کے) زندگی کے آخری لمحات تک، وہ ایک ایک قدم پر جائزہ لیتی ہیں کہ قوم کی صحت کا معیار گر تو نہیں رہا۔ بچوں کی پرورش تربیت اور تعلیم گاہوں میں ہر جگہ یہ خیال پیش پیش رہتا ہے کہ ان کی صحت زندہ قوموں کے پیمانوں پر صحیح اترے۔ غذا، فضا، رہائش، معاشرت، نظامِ اوقات کسی شعبۂ زندگی میں صحت کی اہمیت کو نظر انداز نہیں ہونے دیا جاتا۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ جن افراد کی جسمانی صحت درست نہیں ہوتی ان کی ذہنی صلاحیتیں کبھی برومند نہیں ہو سکتیں۔ آپ اپنی زندگی پر نگاہ ڈالئے اور اپنے گرد و پیش کا بھی مطالعہ کیجئے اور خود سوچئے کہ ایک دائم المریض انسان کس طرح زمین پر بوجھ بن کر جیتا ہے۔ مزاج میں اعتدال، زندگی کے ہر گوشے میں نوید کامرانی کا موجب ہوتا ہے۔ اور یہ

[illegible]

قدر بنا چاہئے ورنہ میں تو یہاں تک بھی کہنے کو تیار ہوں کہ صحت انسان کی
رنگ اثر انداز ہوتی ہے۔ آپ حضرات انبیاء کرامؑ، کہ جو دنیائے اخلاق کے
ہوتے ہیں، کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے، ان میں سے کوئی بھی دائم المریض نہیں
عظیم القدر فریضہ عمدگیٔ صحت کے بغیر سرانجام دیا ہی نہیں جا سکتا۔ بہرحال
بدیہ تھا کہ) اعتدالِ مزاج درستیٔ صحت ہی کا دوسرا نام ہے۔ دنیا میں کامیابی
اس لئے جو قوم زندگی کے اس اہم ترین شعبہ کو نظر انداز کر دیتی ہے اُسے
قدم پر سپر انداز ہو جانا چاہئے۔ وہ ان قوموں کا مقابلہ کبھی نہیں کر سکے گی جو
قوی اور مضبوط ہوں۔

زندگی کے دوائر تک ہی محد
اخلاقی زندگی پر بھی بڑی
بلند ترین مقام پر جلوہ
دکھائی دے گا۔ نبوت جیسا
یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میرا مقص
کامرانی کی دلیل ہوتا ہے۔ ا
معاشِ زندگی میں پہلے ہی
جسمانی طور پر اس سے زیادہ

مجھے توقع ہے کہ یہ اہم گوشہ، معمارانِ پاکستان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوگا۔ اس توقع پر مجھے اس باب میں کچھ گذارش کرنا ہے۔

اس گوشے کے دو پہلو ہوں گے۔ ایک تو عمر کی صحت کے لئے حفاظتی تدابیر۔ اور دوسرے بیماریوں کا علاج۔ میری گذارش اس دوسرے پہلو سے متعلق ہے۔

ہمارے ہاں، ازمنۂ قدیم سے یونانی طریقِ علاج رائج چلا آرہا تھا۔ میں خود حکیموں کے ایک ممتاز گھرانے سے متعلق ہوں۔ لیکن بایں ہمہ، اس طریقِ علاج کے حسن و قبح سے بحث کئے بغیر، صرف اتنا عرض کردینا کافی سمجھتا ہوں کہ یہ فن، عرصۂ دراز سے جمود و تعطل کی برفانی سلوں کے نیچے دب کر اسی طرح مفلوج ہوگیا جس طرح دینِ اسلام، تقلیدِ جامد کے ہاتھوں، محض مجموعۂ رسوم بن کر رہ گیا۔ خونِ رگ میں تموج، جدتِ افکار اور جذبۂ تخلیق کا رہینِ کرم ہوتا ہے۔ جہاں یہ جوہر ختم ہوگئے، زندگی کی حرارت افسردہ ہوگئی۔ اب خالی انگیٹھی میں جب تک جی چاہے پھونکیں مارتے جائیے وہ سرچشمۂ حرارت نہیں بن سکے گی۔ ادھر یونانی طریقِ علاج اس طرح افسردہ ہو رہا تھا، اس پر وہ جو کہتے ہیں کہ مرے کو مارے شاہ مدار، انگریزوں کی عملداری نے، محض اپنے مقاصد و مصالح کی خاطر، ایلوپیتھک طریقِ علاج کو اس درجہ اجاگر کیا کہ فنِ یونانی اگلے وقتوں کی یاد بن کر رہ گیا۔ دہلی میں اس کا کچھ کچھ چرچا باقی تھا، لیکن گذشتہ فسادات کے جھکڑ نے اس شمعِ سحر کو بھی خاموش کردیا۔

باقی رہا ایلوپیتھک طریقِ علاج، سو اس کے متعلق اگر میں فنی بحث چھیڑ دوں تو وہ غیر فنی حضرات کے لئے دلچسپی کا موجب نہ رہے گی۔ اگر اس فن سے متعلق حضرات میں سے کوئی چاہیں تو میں انہیں سمجھا سکتا ہوں کہ یہ طریقِ علاج، صحیح بنیادوں پر استوار نہیں ہے۔ مغرب کے فلسفۂ مادیت نے انسان کو ایک مشین تصور کرلیا جو "اندھی فطرت" کے میکانکی عمل کا ہنگامی نتیجہ ہے۔ اس مفروضہ پر ان کے اس طریقِ علاج کی بنیاد ہے اور چونکہ بنیاد ہی غلط ہے اس لئے اس پر اٹھی ہوئی عمارت کا رخ کبھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ جو سائنس، انسان کی انفرادیت کو نظر انداز کردے وہ مطابقِ فطرتِ انسانی نہیں قرار دی جاسکتی۔ لیکن قطع نظر اس کے، ذرا اس کے اقتصادی پہلو پر بھی نگاہ ڈالئے اور سوچئے کہ

اگر بفرضِ محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ طریقِ علاج صحیح ہے، تو بھی سوچنے کی یہ بات ہو گی کہ ہم اقتصادی طور پر اسے اپنے ہاں رائج بھی کر سکتے ہیں؟ اس کے متعلق ہم سے نہیں کسی ماہرِ اقتصادیات سے پوچھ دیکھئے کہ جس ملک کی اوسط آمدنی اتنی ہو جتنی پاکستان کی ہے اور جس ملک کے ذرائع پیداوار وہ ہیں جو سردست ہمارے ہیں، کیا اس ملک کے لئے اس قدر گراں طریقِ علاج، کسی صورت میں بھی ممکن العمل ہو سکتا ہے؟ اگر ہماری حکومت (State) نے اس طریقِ علاج کو اپنے ہاں سرکاری طور پر رائج کر لیا تو اس کے اخراجات ہماری نوزائیدہ مملکت کی کمر توڑ دیں گے۔ اس خراج کے مقابلہ میں عوام اس سے کبھی اس قدر متمتع نہیں ہو سکیں گے۔ یہ تمام خرچ (جو کروڑوں روپے تک پہنچ جائے گا) یکسر رائیگاں جائیگا اس لئے کہ اگر اس ابتدائی خرچ کے لئے کسی نہ کسی طرح سے گنجائش نکال بھی لی گئی تو اس کے روزمرہ خرچ (Recurring expenditure) اور برائے قیام و بقا (Maintenance charges) کے لئے اس قدر گراں نشین بجٹ کی گنجائش کبھی نہیں نکل سکے گی۔

تیسرا طریقِ علاج، ہمارے سامنے ہومیوپیتھک ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کہہ دیا جائے گا کہ

کس نگوید کہ دوغِ من ترش است

یعنی چونکہ میں خود ہومیوپیتھ ڈاکٹر ہوں اس لئے میں اس فن کی تائید کر رہا ہوں۔ اس ضمن میں میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ اس میں شبہ نہیں کہ میں خود ہومیوپیتھ ڈاکٹر ہوں لیکن میں جو کچھ تجویز پیش کر رہا ہوں وہ فن ہومیوپیتھک کی خاطر نہیں بلکہ پاکستان اور اس کے رہنے والوں کی خاطر کر رہا ہوں۔ اور پاکستان میرے نزدیک ایک مقدس امانت ہے جس کے لئے کوئی ذرا سی غلط تجویز بھی میرے خیال کے مطابق بدترین خیانت اور جرم عظیم ہے۔ میں نے اس فن کو ورثتاً نہیں پایا (جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے میں اسلاف کی نسبت سے فنِ طبابت سے متعلق ہوں)۔ میں نے اسے علیٰ وجہ البصیرت اختیار کیا اور پھر اس پر محض تقلیداً کاربند نہیں رہا بلکہ اس کے مختلف گوشوں کے متعلق آزادانہ تحقیق کی اور اس انداز سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ طریقِ علاج بالکل مطابق فطرتِ انسانی ہے۔ اور

نہایت پیچیدہ امراض میں بھی بطریقِ احسن کارگر ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ طریق اس قدر سستا ہے کہ دنیا کا کوئی اور علاج اس باب میں بھی اس کا حریف نہیں ہو سکتا۔ اندریں حالات، میں یہ سمجھتا ہوں کہ حکومتِ پاکستان کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ اس طریقِ علاج کو سرکاری طور پر اختیار کرے اور اس کی تنفیذ و ترویج کے لئے مناسب ذرائع اختیار کرے۔

پچھلے دنوں سے ایک اور تحریک بھی ہماری فضا کو مرتعش کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ ہندوؤں نے اپنی قوم کے جذباتِ قدامت پرستی کی تسکین کے لئے بھارت ورش کی پرانی "تہذیب" کے احیاء کے سلسلہ میں یہ کوشش بھی شروع کی ہے کہ ویدک طریقِ علاج کو پھر سے زندہ کیا جائے۔ اس ارتعاش کو (غالباً غیر محسوس طور پر) متاثر ہو کر، ہمارے ہاں بھی یہ خیالات ابھرنے شروع ہوئے ہیں کہ ایلوپیتھک طریقِ علاج، مغربی فن ہے۔ ہماری آزادی کا تقاضا ہے کہ ہم "اپنے" طریقِ علاج، یعنی طبِ یونانی کو پھر سے رائج کریں۔ یہ تحریک اگر اس جذبہ کے ماتحت شروع ہوتی کہ چونکہ (ان لوگوں کے خیال میں) یونانی طریقِ علاج زیادہ اچھا ہے اس لئے اسے رائج کیا جائے تو اور بات تھی۔ لیکن یہ کہنا کہ ایلوپیتھک طریقِ علاج مغربی ہے اور طبِ یونانی، مشرقی (بلکہ اسلامی) ہے، تاریخِ طب سے لاعلمی پر مبنی ہے۔ طبِ یونانی میں، خود لفظِ یونانی پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ طب بھی ویسی ہی مغربی ہے جیسے ایلوپیتھک۔ فرق صرف یہ ہے کہ طبِ یونانی، ہمارے ہاں عربی اور فارسی اصطلاحات میں رائج ہے۔ اس لئے اسے عام طور پر مسلمانوں کی طب سمجھا جاتا ہے اور ایلوپیتھک انگریزی زبان میں پڑھائی جاتی ہے اس لئے اسے انگریزوں کی طب سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ طبِ یونانی اور ایلوپیتھک، اپنے بنیادی اصولوں کی رو سے دونوں ایک ہیں۔ بس یوں سمجھئے کہ ایلوپیتھک طریقِ علاج، یونانی طب کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ کوئی زمانہ تھا کہ مسلمانوں نے طبِ یونانی کے قدیم جمود کو توڑ کر، اس میں نئی نئی تحقیقات کی راہیں نکالیں۔ پھر جب خود مسلمان تقلیدِ جامد کا شکار ہو گئے تو ان کے ساتھ ہی طبِ یونانی بھی عضوِ مفلوج ہو کر رہ گئی۔ جہاں جہاں اسے حکومتوں کی سرپرستی حاصل رہی وہاں اس کا چرچا رہا (مثلاً دہلی کے اطباء

جن کے لئے شاہانِ مغلیہ کے زمانہ سے جائدادیں چلی آتی تھیں)۔

یہی طب، جب اہلِ یورپ نے اختیار کی تو انھوں نے اپنے ذوقِ تحقیق کے زیرِ اثر اس میں بہت سی نئی راہیں پیدا کیں۔ اطبائے یونانی نے اپنی حفاظت اسی میں سمجھی کہ اس طب (ایلوپیتھک) کو انگریزوں کی طب قرار دے کر، قدامت پسند طبقہ کو، جن کے نزدیک ہر پرانی چیز مقدس و متبرک ہو جاتی ہے اس سے متنفر کیا جائے۔ اس طرح اطبائے یونانی اور ایلوپیتھک ڈاکٹر ایک دوسرے کے حریف سمجھے جانے لگے نہ یونانی طبیبوں نے ایلوپیتھک کا مطالعہ کیا۔ نہ ایلوپیتھک والوں نے طب یونانی کو سمجھا۔ اور دونوں لاعلمی میں، رستم و سہراب (باپ بیٹوں) کی طرح، ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوتے رہے حالانکہ اصل کے اعتبار سے دونوں کا سرچشمہ ایک ہے۔ اس لئے ہمارے ہاں کی یہ تحریک کہ طب یونانی چونکہ "اسلامی طب" ہے اس لئے ایلوپیتھک کو چھوڑ کر اس کے احیاء کی فکر کی جائے، اپنے آپ کو اسی لاعلمی کے اندھیرے میں رکھنا ہے۔ یہ دونوں طریق ہائے علاج ایک ہیں اور اپنے بنیادی اصولوں کی رو سے دونوں غیر فطری۔ اس لئے ایلوپیتھک کو چھوڑ کر طب یونانی کی ترویج کی کوشش، بارلے واٹر (Barley Water) سے پرہیز اور آشِ جَو کی تائید کے مرادف ہوگا۔

اس میں شبہ نہیں کہ یونانی طریقِ علاج، بمقابلہ ایلوپیتھی، ارزاں ہوگا۔ لیکن ایک غیر فطری طریقِ علاج کو محض اس لئے اختیار کرنا کہ وہ سستا ہے، کہاں کی دانش اطواری ہے! جیسا کہ میں نے ایلوپیتھک ڈاکٹر حضرات کے متعلق عرض کیا ہے، اگر یونانی اطباء میں سے بھی کوئی صاحب بغرضِ بحث و جدل نہیں بلکہ بہ مقصد افہام و تفہیم، اس اجمال کی تفصیل چاہیں کہ ایلوپیتھک کی طرح طب یونانی بھی کس طرح ناقص اور غیر فطری ہے، تو میں اس کے لئے ہر وقت حاضر ہوں۔ میں اس تنبیہ کی ضرورت اس لئے محسوس کر رہا ہوں کہ ہماری حکومت کہیں محض ہماری "مشرقیت" کے جذبات کے پاسِ خاطر سے طبِ یونانی کی ترویج میں کوشاں نہ ہو جائے اور ہم کچھ عرصہ کی محنت و کاوش اور صرفِ کثیر کے بعد اپنے آپ کو اسی بھنور میں پھنسا ہوا دیکھیں جس میں ایلوپیتھک کو دیکھ رہے ہیں کہ

ڈور کو سلجھا رہے ہیں اور سرا ملتا نہیں

معالج دو شقوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں ایک طبیب (Physicians) اور دوسرے جراح (Surgeons)۔ ہومیوپیتھک طریق علاج صرف حصۂ طب سے متعلق ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس میں، ایسے ایسے بیمار جن کے متعلق ڈاکٹروں کا فیصلہ ہوتا ہے کہ ان کا علاج آپریشن کے سوا اور کچھ نہیں، محض دوائی سے اچھے ہوجاتے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ میں جراحت (Surgery) کی ضرورت سے انکار نہیں کرسکتا۔ اس لئے ہومیوپیتھی کے ساتھ جراحت کا الگ شعبہ ضروری ہے میری تجویز یہ ہے کہ

(۱) موجودہ میڈیکل کالجوں کی بجائے ایسے کالج کھولے جائیں جن میں تشریح البدن (Anatomy) کے مشترکہ کورس کے بعد، طب اور جراحت کو الگ کردیا جائے۔ طب بطریق ہومیوپیتھی اور جراحت بطریق موجودہ۔ اس سے طالب علموں کی زندگی کا ایک قیمتی حصہ جو آج کل کے طریق تسلیم میں بیکار ضائع ہوجاتا ہے، بچ جائے گا اور ان کے والدین اس قدر اخراجات سے بارے سبکدوش ہوجائیں گے۔

(۲) ہومیوپیتھک کی دوائیاں خود تیار کی جائیں۔ یہ اس قدر سستی پڑیں گی جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس طرح ہمارے ملک کا سونے کا وہ دریا جو آج کل امریکہ اور یورپ کے خزانوں میں جا کر گرتا ہے خود اپنے ملک کی زرخیزی اور شادابی میں صرف ہوگا۔ واضح رہے کہ ہومیوپیتھک کی دوائیاں، پاکستان میں ایسے ہی تیار ہوسکتی ہیں، جیسے امریکہ، جرمنی اور انگلستان میں۔ حتیٰ کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہوں گی جن میں انھیں ہمارا محتاج ہونا پڑے گا۔

(۳) قریہ، قریہ، اور گاؤں، گاؤں میں ہسپتال کھول دیئے جائیں۔ ان کی تعداد سے نہ ڈریئے اس کثرتِ مقدار کے باوجود، موجودہ خرچ کے مقابلہ میں بے حد بچت رہے گی اور کوئی مریض بلا علاج نہیں رہا کرے گا۔ خرچ کے متعلق میرا اندازہ ہے کہ جس قدر روپیہ آج کل ایک مرکزی ہسپتال ہی صرف ہوتا ہے اتنے روپے میں ایک صوبہ بھر کے مجوزہ ہسپتال چل سکتے ہیں۔

(۴) اعلیٰ پیمانے کے سامانِ جراحت کے ہسپتال صرف مرکزی مقامات میں کھولے جائیں

اور وہاں ان مریضوں کا علاج ہو جن کے متعلق ہومیوپیتھک طبیب یہ فیصلہ کر دے کہ مرض کے ازالہ کے لئے آپریشن ضروری ہے۔

(۵) پرائیویٹ پریکٹس کی اجازت صرف مستند ڈاکٹروں کو دی جائے۔ آج کل جو یہ کیفیت ہے کہ

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی

یہ کسی نہج سے بھی مناسب نہیں۔

میں نے یہ چند تجاویز اصولی طور پر پیش کر دی ہیں۔ اگر حکومت اس اصل کو قابلِ توجہ سمجھے تو اُن کی جزئیات و فروعات کو بھی مرتب کیا جا سکتا ہے۔ اس باب میں میری خدمات ہر وقت حاضر ہیں۔

میں اپنے ہم مشرب احباب سے درخواست کروں گا کہ وہ بھی اس مسئلہ پر غور کریں اور اگر وہ مجھ سے متفق ہوں تو اپنی تائید کو حکومت پاکستان تک پہنچائیں۔ وزیر محکمہ صحت (Minister for Health) حکومت پاکستان۔ کراچی، اس سے متعلق ہیں۔

میں ایلوپیتھک ڈاکٹر حضرات سے خاص طور پر ملتجی ہوں کہ وہ اس مسئلہ کو "فرقہ وارانہ" نگاہ سے نہ دیکھیں بلکہ اس پر اس زاویۂ نگاہ سے غور کریں کہ دولت خداداد پاکستان کے لئے کون سی راہ نفع مند ہو۔ اس سے ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے قابل ہو سکیں گے۔

میں مسئلہ کی اہمیت کے پیشِ نظر حکومتِ پاکستان سے گذارش کروں گا کہ وہ اپنی خصوصی توجہ اس موضوع پر مرتکز کرے اور اس سوال کے مالہ وماعلیہ پر پورے غور و خوض اور بحث و تمحیص کے بعد کسی حتمی فیصلہ پر پہنچے کہ ہماری آئندہ نسلوں تک کا مستقبل اس ایک فیصلہ پر منحصر ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے اربابِ فکر و نظر اور اہلِ فن حضرات پر مشتمل ایک مجلسِ مشاورت مرتب کر لی جائے تاکہ وہ اس باب میں حکومت کو مناسب امداد دے سکے۔

(ڈاکٹر) اے حمید (ہومیوپیتھ)

جنرل ہومیو سٹورز۔ رام باغ روڈ۔ کراچی۔

طلوعِ اسلام میں "علاج الامراض" کی بحث، ممکن ہے بعض سطح بین نگاہوں کو بے جوڑ سی چیز محسوس ہو، لیکن جن کی نگاہیں سطح سے نیچے اتر کر گہرائیوں تک پہنچتی ہیں وہ ہم سے متفق ہوں گے کہ اسلام، روح و بدن، دونوں کا نظام ہے، اس لئے ہمارے نزدیک بدن سے متعلق مباحث، طلوعِ اسلام کے لئے بے جوڑ چیز نہیں ہو سکتے۔ ہم اس مضمون کو موضوع کی اہمیت کے اعتبار سے بصد مسرت شائع کر رہے ہیں۔ ویسے بھی ہم تو ذاتی تجربے کی بنا پر ہومیوپیتھک طریقِ علاج کی افادیت کے معترف ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے اندازِ بیان کی شگفتگی سے کم از کم اتنا اندازہ تو آپ نے بھی لگا لیا ہوگا کہ ہومیوپیتھک دوائیاں یبوست نہیں پیدا کرتیں۔

ہم اس باب میں اربابِ حکومت کی توجہ خاص طور پر اس طرف منعطف کراتے ہیں کہ یہ مسئلہ فی الواقعہ ہماری قومی زندگی کے بنیادی مسائل میں داخل ہے۔

مدیر طلوعِ اسلام

نقد و نظر

قوموں کا علمی سرمایہ ان کی کتابوں میں محفوظ ہوتا ہے جو ان کی ذہنی سطح کی مقیاس ہوتی ہیں۔ ہمارے دورِ انحطاط میں کام کی کتابیں بہت کم لکھی گئیں اور جو لکھی گئیں ان کی اشاعت بری طرح ہوئی۔ لاہور کے ناشر و تاجر کتب، شیخ محمد اشرف صاحب نے کتابوں کو نہایت عمدگی سے شائع کرنے کا اہتمام کیا اور اس باب میں نمایاں کامیابی حاصل کرلی۔ یہ چیز تو ان کے بس کی نہ تھی کہ ہر کتاب معیاری لکھی جائے، لیکن اچھے اچھے لکھنے والوں نے جو کتابیں بھی لکھیں انھوں نے انھیں حسنِ انتظام سے شائع کیا۔ افسوس یہ رہا کہ یہ سعادت محض انگریزی کتابوں کو حاصل ہوئی ورنہ اردو میں انھیں بہت سی کتابیں ایسی مل سکتی تھیں جو علمی اعتبار سے کہیں بلند تھیں — طلوعِ اسلام کے دورِ دہلوی میں ان کی طرف سے موصول شدہ کتابوں پر تبصرہ بھی شائع ہوا کرتا تھا۔ انھوں نے اس مرتبہ بھی وہی التزام رکھا ہے اور اپنی شائع کردہ (انگریزی) کتابوں سے بعض بغرض تبصرہ ارسال کی ہیں۔ دیگر کوائف و مسائل کی طرح، تنقیدِ کتب کے باب میں بھی طلوعِ اسلام کا ہمیشہ یہ مسلک رہا ہے کہ —— میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند —— اس لئے "نقد و نظر" کے عنوان سے جو کچھ آپ کے سامنے آئے گا وہ طلوعِ اسلام کی آزادانہ رائے ہوگی۔ بے لاگ اور بے لپیٹ۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ۰

پبلک فنانس ان اسلام } مصنف۔ ایس۔ اے صدیقی صاحب حجم ۲۴۲ صفحات قیمت پانچ روپیہ۔

"اسلامی مالیات" } جس طرح انیسویں صدی کو یورپ میں "عہدِ سائنس" کہتے تھے، بیسویں صدی کو "دورِ معاشیات" کہا جاتا ہے، جس میں معاشی مسائل نے افراد و اقوام کی توجہ کو سب سے زیادہ اپنی طرف مرکوز کر رکھا ہے۔ ایک تو ماحول کے اثر سے، دوسرے پاکستان کے وجود میں آجانے سے مملکتی تقاضوں کے پیشِ نظر ہمارے ہاں معاشیات (یا مالیات) پر بہت سی کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ اسی موضوع پر دو کتابیں (ایک جس کا عنوانی تعارف اوپر کرایا جا چکا ہے اور دوسری جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا) اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔) طلوعِ اسلام میں اس حقیقت کو بار بار سامنے لایا گیا ہے کہ قرآن کے وہ اصول جن کی جزئیات اس نے خود متعین نہیں کیں، ایسے ہیں جن کی جزئیات ہر دور کی اسلامی حکومت، اپنے اپنے زمانہ کے تقاضوں کے پیشِ نظر خود متعین کرے گی۔ لہذا یہ سمجھ لینا کہ ان اصولوں کی جو جزئیات کسی سابقہ دور میں اس زمانہ کی ضروریات کے پیشِ نظر متعین کی جا چکی ہیں، وہ ناقابلِ تغیر و تبدل ہیں، منشائے قرآن کے خلاف ہے۔ یہ مسئلہ عام تعزیری احکام میں بھی اہمیت رکھتا ہے

لیکن معاشیات (یا مالیات) میں یہ مہتم بالشان بن جاتا ہے۔ اس لئے کہ نظم و نسق حکومت کی بنیادیں مالیات پر استوار ہوتی ہیں۔ اگر آپ نے اپنے دور کی حکومت کو ہزار یا نو سو سال پہلے کی متعین شدہ مالی جزئیات سے باندھ دیا تو وہ حکومت چل کیسے سکے گی؟ زیرِ نظر کتاب اسی نظریے کے ماتحت لکھی گئی ہے کہ یہ طے شدہ جزئیات ناقابلِ تغیر و تبدیل ہیں۔ لہٰذا یہی "اسلامی" ہیں۔ اور اس "اسلامی نظام مالیات" کے بہترین ہونے کی دلیل یہ ہے کہ

> اس کتاب میں جس اسلامی نظامِ مالیات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ قریب ایک ہزار سال تک محکم طور پر قائم رہا اور ایک ایسی سوسائٹی کی تخلیق کا باعث بنا جو نہ تو سرمایہ دارانہ تھی نہ ہنوز اشتراکی بلکہ ان دونوں کے حسنات کا التزامی مجموعہ۔ یہ وہ سوسائٹی تھی جس میں دولت کا انبار صرف چند نفوس تک محدود نہیں رہتا تھا جس میں نہ کہیں احتکار و اکتناز تھا، نہ نفع بازی۔ اس لئے کہ اسلام نے انھیں ممنوع قرار دیا ہے۔ یہ وہ سوسائٹی تھی جس میں حکومت، اپنی رعایا مسلم و غیر مسلم کے ہر فرد کی ضروریاتِ زندگی (Living Wage) کی کفیل ہوتی تھی۔ جس میں نہ تو غریبوں کی تنگ و تاریک جھونپڑیاں (Slums) تھیں نہ کروڑپتی سرمایہ دار۔ نہ غریب مزدور جن کا خون چوسا جاتا تھا، نہ خون آشام سرمایہ دار۔ . . . . ہم یہ افسانوی باتیں نہیں کہہ رہے۔ یہ ایک حقیقی سوسائٹی تھی جو پھولی پھلی اور پھر مرجھا کر ماضی کے طاقِ نسیاں میں جا چھپی جہاں سے ہم اسے پھر کھینچکر باہر لانا چاہتے ہیں۔ (صفحہ ۷۱-۷)

قابل مصنف نے یہ نقشہ کسی ایسی سوسائٹی کا کھینچا ہے جو ان کے الفاظ میں آج سے قریب ایک ہزار سال پہلے تک (یعنی چوتھی صدی ہجری سے شروع ہو کر چودہویں صدی ہجری تک) اسی دنیا پر کہیں موجود تھی۔ ہم شکر گذار ہونگے اگر وہ تاریخی شواہد سے بھی اس سوسائٹی کا اتا پتہ بتادیں۔ یہ نوعِ انسانی پر بڑا احسان ہوگا!

ہماری کتنی بڑی بدبختی ہے کہ ہم نے گذشتہ ایک ہزار سال کی مسلمان سلاطین کی حکومتوں کو "اسلامی حکومتیں" سمجھ رکھا ہے اور "ہیرو ورشپ" کی بنا پر ان سلاطین کو اسلامی تعلیم کا پیکر۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا اس پھل سے "اسلام کے درخت" کو پہچانتی ہے اور چونکہ ہماری عقیدت مندی تاریخ کے بازار میں پھل کی تلخی کو خیرنی میں نہیں بدل سکتی، اس لئے دنیا شجرِ اسلام کے متعلق وہ رائے قائم کرتی ہے جسے سننا تک ہم گوارا نہیں کر سکتے حقیقت یہ ہے کہ ان مسلمان بادشاہوں کی سلطنتیں ایسی ہی تھیں جیسی اور اقوامِ عالم کی سلطنتیں بلکہ بعض صورتوں میں اُن سے بھی بدتر۔[1] قرآن کا نظام نہ ان کے ہاں تھا نہ اُن کے ہاں۔ اس لئے اگر حسنِ اتفاق سے ان کا رائج کردہ

---

[1] ہم محسوس کر رہے ہیں کہ ہماری اس تلخ نوائی سے بہت سی پیشانیاں شکن آلود ہو رہی ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ان پیشانیوں کے شکن تاریخ کے اوراق کو نہیں مٹا سکتے جو غیر مسلم مورخوں سے نہیں بلکہ خود مسلمان مورخوں کی وساطت سے ہم تک پہنچے ہیں۔ اگر ہم دجلہ اور فرات کی لہروں پر تیرنے والی سنہری اور روپہلی کشتیوں کے کھینے والے غلاموں اور دمشق اور بغداد کے محلات میں چلنے پھرنے والی لونڈیوں کے ہجوم کی تفاصیل بیان کریں تو شرم سے نگاہیں زمین میں گڑ جائیں۔ ہمارے ان سلاطین کا نظام قطعاً اس قابل نہیں کہ ہم اسے دنیا کے سامنے فخر سے پیش کر سکیں۔ (بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

نظام آج "نقش و نگارِ طاقِ نسیاں" ہو گیا ہے تو اسے وہیں رہنے دیجئے اور اپنے لئے وہ نظام اختیار کیجئے جو اللہ نے انسانوں کے لئے مقرر کیا ہے۔

اکنامکس اوف اسلام (اسلامی معاشیات) مصنف۔ شیخ محمود احمد۔ ضخامت ۱۹۰ صفحات۔ قیمت چار روپے۔

اس میں مصنف نے موجودہ نظام سرمایہ داری کی تباہ کن خرابیوں کا جائزہ لینے کے بعد زکوٰۃ اور سود (نیز بینکنگ) کے عنوانات سے اسلامی تعلیم معاشی سے بحث کی ہے اور فی الجملہ یہی پہلو اختیار کیا ہے کہ ان ابواب کی تفصیلات، قرآنی اصولوں کی روشنی میں ہر اسلامی حکومت خود متعین کر سکتی ہے۔ یہ کوشش، ہر چند اولین ہے، لیکن محمود۔ بعض معاملات میں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے پیش نظر، قرآن کی تعلیم ابھر کر سامنے نہیں آئی اس لئے وہ صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ مثلاً وہ زمین کے لگان کو جائز سمجھتے ہیں۔ (ص۳۶) (حالانکہ یہ خالص سرمایہ داری ہے) اور وصیت کی اجازت ایک تہائی مال تک محدود قرار دیتے ہیں۔ (ص۱۵۱) (حالانکہ قرآن میں اس کی اجازت بلا قید ہے۔ اجازت ہی نہیں بلکہ یہ فرض ہے)۔

اسلام اینڈ سوشلزم مصنف۔ مرزا محمد حسین صاحب۔ حجم ۱۴۴ صفحات۔ قیمت دس روپے۔

زیر نظر کتاب میں اسلام کا سوشلزم سے موازنہ و تقابل کیا گیا ہے۔ اشتراکیت کس حد تک قابل عمل نظام ہے یا وہ کس حد تک مظلوم انسانیت کے لئے پیغام نجات ہے؟ اس کا جواب علیحدہ فرصت کا طالب ہے۔ لیکن اقوام عالم میں اس وقت صرف روسی قوم ایسی ہے جس کے پاس "پیغام" ہے، اور اس پیغام اشتراکیت کی پشت پر روس ایسی طاقتور سلطنت کی قوت و شوکت ہے، اس لئے غیر اشتراکی اقوام میں بالخصوص ان اقوام میں جو سیاستِ عالم میں زیادہ وقیع نہیں، احساس کمتری پیدا ہو گیا ہے۔ "اسلام اور اشتراکیت" کا عنوان اسی جذبۂ مرعوبیت کی غمازی کر رہا ہے۔ مصنف نے اشتراکیت کے بعض پہلوؤں کو لیکر ان کا موازنہ اسلام سے کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ تمام "مذاہب میں سے صرف مذہب اسلام" انسانیت کی فلاح و نجات کا ضامن ہے۔ اس ضمن میں عیسائیت اور بدھ مت پر اعتراضات ہوئے ہیں کہ ان کے ہاں روایات کو اتنا دخل حاصل ہو گیا کہ حقیقت نظروں سے اوجھل ہو گئی لیکن خود مصنف نے اپنے زعم میں اسلام کی برتری ثابت کرنے کے لئے روایات ہی کو اساس بحث بنایا ہے۔

اشتراکیت سیاسی طور پر ایک حزبی آمریت ہے اور معاشی طور پر "جیب و شکم" سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ لہٰذا اسلام سے تقابل کرتے ہوئے اسلام کے اقتصادی نظام کو لامحالہ زیر بحث لانا پڑتا ہے۔ اس ضمن میں زکوٰۃ

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اس نظام کو اسلام کی پیدا کردہ تہذیب قرار دینا اسلام پر بہت بڑا بہتان اور اس سے سخت دشمنی کے مرادف ہے۔ صحیح اسلامی نظام صرف اس عہد مبارک میں قائم ہوا جب اس کا قیام محمد رسول اللہ والذین معہ کے ہاتھوں سے ہوا۔ اس کے بعد استبداد و ملوکیت تھا اور اس کی انسانیت کش خرابیاں جن پر کوئی قوم بھی فخر نہیں کر سکتی۔

کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ اس باب میں مصنف کا مسلک مذکورہ صدر دو کتابوں کے بین بین ہے۔ وہ زکوٰۃ کو سرکاری خزانہ میں داخل کرنے کی اجازت تو دیتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسے حکومت کی طرف سے عائد کردہ ٹیکس ضرور تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ نصاب زکوٰۃ میں تبدیلی کا کوئی حق حکومت کو نہیں دیتے۔

مصنف نے معاشیات کے ساتھ ساتھ اسلام کے عائلی اور معاشرتی زندگی سے بھی بحث کی ہے لیکن ان ان ابواب میں بھی ان کا انداز وہی ہے کہ

دینا وہ اس کا ساغرِ مے یاد ہے نظامؔ   منہ موڑ کر اُدھر کو اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ

ان مسائل کے بعد آپ نے جنگ کو لیا ہے اور اس کا "اسلامی حل" بتانے کی زحمت گوارا کی ہے۔ اس باب میں آپ کا سرچشمۂ معلومات یورپ کے سیاسیین ہیں اور آپ نے انہی کے اقتباسات دیئے ہیں۔ وہ سیاسیین جن کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے کہ وہ ان عقدوں کی کشائش کرتے ہیں جو وہ نہ ہوتے تو پیدا ہی نہ ہوتے۔ وہ ایک غلط اقدام سے مجبور ہو کر دوسرا غلط اقدام کرتے ہیں اور اس دوہری مصیبت میں نہ محض خود مبتلا ہیں بلکہ ایک عالم کو مبتلا کر رکھا ہے۔ جنگ کے اسباب و انسداد سے متعلق آرا پیش کرنے میں آپ جوڈ اور رہیلے سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ مفکرین میں ان کی حیثیت کیا ہے۔ جنگِ عالمگیر ثانی کے دوران میں اور اس کے بعد اس موضوع پر کئی ایک مفکرین نے قلم اٹھایا ہے اور جرأت و بے باکی سے پرانے نظریات کو چھوڑ کر نئی اور اچھوتی راہیں تلاش کی ہیں۔ ان کے نزدیک جنگ کا انسداد جمعیت آدم سے ہو سکتا ہے نہ کہ جمعیت اقوام سے۔ لیکن یہ سوال ان کے نزدیک بھی محتاج جواب رہ جاتا ہے کہ اس "جمعیت آدم" کی اساس کیا ہو؟ مصنف نے اسلام کا نقطہ نگاہ پیش کرتے ہوئے جنگ کا علاج "اللہ پر ایمان" اور "اخلاقی اقدار" کو بتایا ہے۔ لیکن پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے کہ یہ علاج مسلمانوں کے علاوہ دوسرے "خدا پرست" بھی پیش کر سکتے ہیں۔ اسلام کی اس میں کیا خصوصیت ہے؟ اسلئے صحیح تر الفاظ میں، دنیا کے مصائب کا حل اس نظام کے تمام و کمال اختیار کرنے میں ہے جو قرآن نے نوعِ انسان کے لئے وضع کیا ہے۔

مصنف کا مطالعہ وسیع معلوم ہوتا ہے لیکن عمومی اعتبار سے کتاب سے گہرے فکر کا ثبوت نہیں ملتا۔ زبان اکثر جگہ مستعار ہے، گو رواں اور گوارا۔

قرآنک لاز
"احکام القرآن"

مصنف۔ محمد ولی بھائی مرچنٹ صاحب۔ ضخامت ۲۳۲ صفحات۔ قیمت پانچ روپیہ۔

ہمارے ہاں "احکام القرآن" پر کتابیں موجود ہیں لیکن عربی میں۔ کتاب زیرِ نظر میں قرآن کی ان آیات کو جو عبادات اور معاملات سے متعلق ہیں، مناسب عنوانوں کے ماتحت جمع کیا گیا ہے لیکن تمام آیات کو نہیں، صرف چند ایک کو۔ انگریزی خواں طبقہ کے مبتدیوں کے لئے یہ کتاب مفید ہو سکتی ہے (اور قرآن کے معاملہ میں وہ عام طور پر مبتدی ہی ہوتے ہیں)۔ قرآنی تعلیم پیش کرنے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو قرآن تک ہی محدود رکھے۔ اسی صورت میں وہ منشائے قرآنی کو صحیح طور پر سمجھ سکتا اور پیش کر سکتا ہے

اس کتاب کے مصنف چونکہ تفاسیر کے محتاج نظر آتے ہیں اس لئے انھوں نے ان قصوں تک کو کتاب میں شامل کر لیا ہے جو اسرائیلیاتی روایات پر مبنی ہیں۔

اسلام ان دی ورلڈ "دنیائے اسلام" — از ڈاکٹر ذکی علی (مصری)۔ ۴۳۲ صفحات۔ قیمت آٹھ روپے۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا تھا جو اس کی مقبولیت کے پیش نظر بہت جلد ختم ہو گیا۔ ۱۹۴۷ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے جو ہمارے پیش نظر ہے۔ ڈاکٹر ذکی علی، طب کے ڈاکٹر ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اسلام کی تاریخ اور کوائف حاضرہ سے گہری دلچسپی ہے۔ کتاب زیر نظر میں انھوں نے اسلام کی ابتدائی تاریخ کو مختصر طور پر بیان کرنے کے بعد ان تحریکات و موثرات سے بحث کی ہے جو دور حاضر میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا موجب بن سکتے ہیں اور بن رہے ہیں اور آخر میں دنیا کے مختلف حصوں میں بسنے والے مسلمانوں کے ظروف و احوال کا بھی اجمالی تذکرہ کیا ہے۔ ضروری نہیں کہ آپ ان کے نتائج مستنبطہ سے ہر جگہ اتفاق کریں لیکن معلومات کے لئے یہ کتاب بہت مفید ہے۔

سپیچز اینڈ رائٹنگز اوف مسٹر جناح "مسٹر جناح کی تقریریں اور تحریریں" — جلد دوم۔ مرتبہ جمیل الدین احمد صاحب۔ صفحات ۵۰۸۔ قیمت چھ روپے۔

شیخ محمد اشرف صاحب، جناب جناح کی تقریروں اور تحریروں کا ایک مجموعہ (جو ۱۹۴۳ء تک تھا) پہلے شائع کر چکے ہیں۔ اب یہ دوسری جلد ۱۹۴۳ء سے آخر ۱۹۴۶ء تک کی تحریروں اور تقریروں پر مشتمل ہے۔ اس کے متعلق اس سے زیادہ لکھنے کی کیا ضرورت ہے کہ یہ جناب جناح کے فرمودات ہیں اور شیخ محمد اشرف نے شائع کئے ہیں۔

Whys of the Great Indian Conflict — مصنف مسٹر ایم۔ اے۔ ہنر۔ حجم ۲۲۶ صفحات۔ قیمت ساڑھے چار روپے۔

مسلمانان ہند کی جنگ آزادی جس کا نتیجہ قیام پاکستان کی صورت میں ہم دیکھ رہے ہیں داستان ملی کا اہم باب ہے۔ لیکن اس کا مطالعہ جس سنجیدگی اور ژرف نگاہی کا متقاضی تھا اس کا ثبوت ابھی تک نہیں ملا۔ گذشتہ دس سال کی سیاست ملت میں چونکہ تقاضائے وقت سیاسی مرکزیت اور اتحاد و یگانگت کی ضرورت تھی اسی لئے اس داستان کی گذشتہ کڑیوں کو بالعموم پروپیگنڈائی نقطہ نگاہ سے دیکھا اور پیش کیا جاتا رہا ہے۔ اس سے ہنگامی ضرورت تو پوری ہو گئی لیکن ملت کی قوت محاسبہ خوابیدہ تر ہو گئی اور اس کی نظروں میں اپنے عیوب محاسن بن گئے۔ اپنی غلطیوں سے بے خبر، بے خبر نہیں بلکہ انھیں خوبیاں سمجھنے والی بر خود غلط قوم کبھی صحیح ترقی نہیں کر سکتی۔ اب جبکہ ہم وادی پاکستان میں داخل ہو چکے ہیں ضرورت ہے کہ ارباب فکر و نظر ادھر توجہ کریں اور گزری ہوئی غلطیوں کا جائزہ لیکر آئندہ کے لئے قوم کو متنبہ کریں۔ زیر نظر کتاب بھی

پروپیگنڈائی قبیل کی کوشش ہے۔

مسٹر مہتہ ایک نوجوان صحافی ہیں اور جنوبی افریقہ کے جریدہ .... Indian Views سے متعلق۔ آپ نے اس کتاب میں مسلمانانِ ہند کی جنگِ آزادی کی داستان بیان کی ہے اور اکبر سے لیکر برطانوی وزارتی وفد کے مذاکرات و مساعی تک کے کوائف و حالات کا جائزہ لیا ہے۔ اندازِ تحریر ایک گرمجوش اور مخلص صحافی کا پتہ دے رہا ہے۔ اس اعتبار سے یہ اچھی کوشش ہے۔

Anecdotes from Islam — "وقائع تاریخ اسلام" — از ابراہیم خاں صاحب۔ صفحات ۱۵۷ قیمت آٹھ روپے۔

عربی ادب میں محاضرات ایک دلچسپ صنف ہے جس میں بعض کتابیں نہایت عمدہ ہیں۔ کتب محاضرات میں، مشاہیر و ابطال، ادبا و شعراء، سلاطین و سپہ سالاران و دیگر اہل علوم و فنون کی زندگی کے بعض ممتاز واقعات یا اقوال، نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے جاتے ہیں۔ افسوس کہ اردو میں ابھی تک کوئی کتاب اس قسم کی نہیں لکھی گئی نہ ہی عربی کی کسی ایسی کتاب کا ترجمہ ہی ہوا ہے۔ یہ ہمارے ادب کی بڑی کمی ہے جسے پورا کرنا چاہیئے۔ کتاب پیش نظر اسی انداز کی کتاب ہے جو انگریزی میں لکھی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے سامنے عربی کتب محاضرات و تاریخ نہ تھیں کیونکہ ان کے مآخذ عام طور پر مستشرقین کی انگریزی کتابیں ہیں۔ اس لئے کتاب زیادہ دلچسپ اور مفید نہیں ہو سکی۔ بعض وقائع کے انتخاب میں بھی دقتِ نظر سے کام نہیں لیا گیا۔ بایں ہمہ یہ چونکہ اپنی قسم کی پہلی کوشش ہے اس لئے اس قابل کہ اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

اقبال ایز اے تھنکر — "اقبال بہ حیثیتِ مفکر" — ضخامت ۳۰۰ ۔ قیمت پانچ روپے۔ شائع شدہ ۱۹۴۴ء

حضرت علامہ اقبالؒ نے داغ مرحوم کے مرثیہ میں لکھا تھا

لکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت
ہونگی اے خوابِ جوانی تیری تعبیریں بہت

لیکن حضرت علامہ کی وفات کے بعد یہ خود ان پر صادق آگیا۔ ان کے "کتابِ دل" کی تفسیر اور حسین خوابوں کی تعبیر میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے، لکھا جا رہا ہے، اور لکھا جائے گا کہ شاید ہی کسی اور کے حصہ میں آئے۔ لیکن اس کے باوجود، یہ کتابِ دل، تشنۂ تفسیر اور یہ حسین خواب، محتاجِ تعبیر رہ جائیں گے۔ اس لئے کہ اقبال کا سرچشمۂ فکر خدا کا وہ پیغامِ سرمدی ہے جو ابدیت در کنار اور جس کی حکمت لازوال ہے۔ کتاب زیر نظر میں آٹھ مختلف دیکھنے والوں نے فکرِ اقبال کو مختلف گوشوں سے دیکھا اور اپنے تاثرات کو اس مجموعہ میں شامل کیا ہے۔ ان میں سے بعض تاثرات واقعی قابلِ قدر ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ مجموعہ، اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے پاس ہم سے بھی پہلے پہنچ چکا ہوگا۔ (کہ یہ ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا تھا)

ہمارے ہاں ہر سال یوم اقبال منائے جاتے ہیں جن میں اکثر قوالیاں، مشاعرے اور (امسال) کراچی کے

یومِ اقبال میں) نقلیں ہوتی ہیں۔ اگر اس تقریب پر ملک کے بلند پایہ اہلِ قلم کو دعوت دی جائے اور ان کے مقالات کا انتخاب یکجا شائع کر دیا جائے تو ہر سال ایک عمدہ مجموعہ سامنے آتا رہے اور اس طرح اس سرمایہ میں از خود اضافہ ہوتا رہے۔
لیکن یہ زندہ قوموں کی باتیں ہیں!

میٹافیزکس آف اقبال از ڈاکٹر عشرت حسن صاحب۔ ضخامت ۱۰۹ صفحہ۔ قیمت تین روپے۔ شائع شدہ ۱۹۴۴ء

"مابعد الطبیعیات اقبال" کچھ عرصہ سے یہ روش عام ہو رہی ہے کہ پی۔ ایچ۔ ڈی کے طالب العلم ڈگری حاصل کرنے کے لئے جو مقالات لکھتے ہیں، انھیں بعد میں کتابی شکل میں شائع کر دیتے ہیں۔ آم کے آم، گٹھلیوں کے دام۔ اندازہ یہ ہے کہ پیشِ نظر کتاب بھی شاید اسی قبیل سے ہے۔ اقبال کا فکر ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اور نہایت گہرے مطالعہ کا محتاج۔ یہ کتاب اس کے متعلق ایک طالب علمانہ کوشش ہے جو تقابلی فلسفہ سے دلچسپی رکھنے والے طلباء کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ لیکن اس میں ایک بنیادی نقص یہ ہے کہ فلسفۂ اقبال کا مطالعہ قرآن سے الگ رکھ کر کیا گیا ہے۔ اقبال شروع سے آخر تک کہتا رہا کہ اس کے فکر کا ماخذ قرآن ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اقبال کے فلسفہ کو قرآن سے الگ رکھ کر پیش کرنا اقبال کے صحیح فکر کی کہاں تک ترجمانی کر سکتا ہے۔

اقبال، ہز آرٹ اینڈ تھاٹ از سید عبد الواحد صاحب۔ صفحات ۳۰۴۔ قیمت آٹھ روپے
نقشِ اول و نقشِ دوم ۱۹۴۴ء و نقشِ ثالث (جو ہمارے پیشِ نظر ہے) ۱۹۴۸ء

"اقبال اور اس کا آرٹ اور فکر" (یہ کتاب ہمیں ناشر کی طرف سے بغرضِ تبصرہ موصول نہیں ہوئی۔ کتاب نے ہمیں خود دعوتِ تبصرہ دی ہے) سید عبد الواحد صاحب، سائنس کے گریجویٹ، آکسفورڈ کے ایم۔ اے اور محکمۂ جنگلات کے افسرِ اعلیٰ ہیں۔ بھلا کہئے کہ انھیں اقبال سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ لیکن دیارِ عشق کے انداز نرالے ہوتے ہیں۔ کتاب کی ایک ایک سطر، مصنف کے خلوص اور محبت کی آئینہ دار اور اس کا ایک ایک عنوان ان کے خونِ جگر کی رنگینی کا شفق بردار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو اقبال میں جذب کر دیا ہے اور جو کچھ ان کی نگاہوں نے دیکھا ہے، اس میں، زلیخا کی طرح، دیگر اہلِ بزم کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں۔ کتاب کا یہ نقش، نقشِ اول سے بہتر ہے، اس لئے جن حضرات کے پاس پہلا ایڈیشن ہے انھیں بھی یہ دوسرا ایڈیشن ضرور منگا لینا چاہئے۔

(ماہنامہ) آموزش (لاہور) مدیر بشیر ہاشمی صاحب۔ سالانہ چندہ چھ روپے

آموزش ایک تعلیمی ماہنامہ ہے جو لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اب تک اس کے چار پرچے شائع ہو چکے ہیں۔ یہ غالباً پاکستان کا ایک ہی تعلیمی جریدہ ہے۔ تعلیمی جرائد کے فرائض میں نظامِ تعلیم کی تنقید و اصلاح بھی ہے اور معلمین و متعلمین کے لئے تعلیمی فضا کی استواری بھی۔ آموزش کے انداز سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ جلد دونوں فرائض سے حتی المقدور عہدہ برآ ہو گا۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ آموزش اپنی دو گونہ ذمہ داریوں کو کماحقہ محسوس کرے گا اور بطریقِ احسن نبھائے گا۔
آموزش کی کتابت و طباعت ادارہ کی کاوش اور ذوقِ سلیم کی آئینہ دار ہے۔

باب المراسلات

(۱) قارئین طلوع اسلام میں سے ایک مخلص دوست رقمطراز ہیں۔

"یہ دلیل کہ تدوینِ حدیث بہت بعد میں ہوئی، دلیل قاطع نہیں۔ تدوینِ حدیث کی پہلی کوشش مؤطا ہے اور اس کا زمانہ عہدِ نبوی سے کچھ بھی دور نہیں[1]۔ اس کے بعد ایک خلا ہے۔ مگر جب دینی ضرورت سے اس طرف توجہ ہوئی تو روایت کے ساتھ درایت بھی موجود تھی۔ یعنی تلاش کے ساتھ تحقیق بھی۔ یہ بزرگانِ دین اپنے عہد اور فکر و نظر کے اعتبار سے حدیث کی اتنی خدمت کر گئے، اب آپ کا یہ کام ہے کہ اس کا وہ حصہ جو محلِ نظر ہے یا قرآن کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا، اسے علیحدہ کر دیں اور باقی کا احترام کریں اور اس کی اشاعت۔"

[ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن جب حدیث کو دین تسلیم کر لیا جائے تو وہ تنقید کی حد سے بیرون ہو جاتی ہے اور کسی کو یہ حق نہیں رہتا کہ اس میں کسی قسم کی قطع و برید کر سکے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ حدیث کو تاریخِ دین مانا جائے۔ اور یہی اس کی صحیح حیثیت ہے۔ طلوع اسلام]

پھر ارشاد ہے۔

"ہر ملک و ملت میں رہبرانِ وقت کے اقوال و امثال کچھ نہ کچھ محفوظ ہیں اور زبانِ تقریر و تحریر پر جاری۔ اگر وہ معتبر ہیں تو ان سے کہیں زیادہ حضورؐ کے وہ اقوال و امثال ہمارے لئے معتبر ہیں اور واجب الاحترام جو صاحبانِ علم و فضل اور اربابِ طہارت و تقوی کے ہاتھوں ہم تک پہنچے ہیں۔ ایک ہندو، کرشن جی کے کچھ اقوال مجھے سناتا ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ مجھے رسولِ عربیؐ کے کچھ اقوال سناؤ۔ تو کیا میرے پاس اسے دیدینے کیلئے کچھ نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان کا دامن ان پھولوں سے یکسر خالی ہو۔"

[یہ کون کہتا ہے کہ مسلمان کا دامن ان مقدس پھولوں سے خالی ہو۔ لیکن ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف اتنا ہے کہ دوسروں کے سامنے پھول پیش کیجئے نہ کہ کانٹے۔ جب آپ کتبِ احادیث (مثلاً صحاح ستہ یا صحیحین) کو یہ کہہ کر پیش کر دیں کہ یہ ہمارے رسولِ اکرمؐ کا صحیح ترین مجموعۂ اقوال و اعمال ہے تو آپ کو ان تمام کانٹوں کو بھی (معاذ اللہ) حضورؐ کی ذاتِ اقدس کی طرف منسوب کرنا پڑے گا جو ان کتابوں کی روشوں پر بکھرے پڑے ہیں۔ ہمارے ہاں مشکل یہ ہے کہ روایتی تقدس کی بنا پر کتبِ حدیث سے عقیدت تو ہر مسلمان کو پیدا ہو جاتی ہے لیکن

---

[1] امام مالکؒ کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی تھی اس لئے مؤطا کا عہدِ تدوین بھی حضورؐ کی وفات سے کم و بیش ڈیڑھ سو برس بعد کا ہوتا ہے۔

بہت کم ایسے ہیں جنھوں نے انھیں خود پڑھا ہے۔ ورنہ وہ دیکھتے کہ حضور نبی اکرمؐ کی ذاتِ اقدس و اعظم کے خلاف دریدہ دہنی کے جو مظاہر آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں ان میں سے بیشتر ایسے ہوتے ہیں جن کا ماخذ کوئی نہ کوئی حدیث ہوتی ہے۔ ان پھولوں سے کانٹے اسی صورت میں الگ ہو سکتے ہیں جب یہ عقیدہ بدل دیا جائے کہ کتبِ احادیث تنقید کی حد سے باہر ہیں۔ طلوعِ اسلام]

اس کے بعد وہ رقمطراز ہیں۔

"اسلاف پرستی نامبارک، نامحمود۔ مگر ہم یہ کیوں بھول جائیں کہ ہم انہی کے تو اخلاف ہیں، اخلافِ سعید نہ کہ ناخلف۔ بیٹا اگر باپ سے علم و عقل میں بڑھ جائے تو کیا باپ واجب الاحترام نہیں رہتا؟"

اسلاف کا احترام اور اسلاف پرستی میں بہت بڑا فرق ہے۔ اسلاف پرستی کے یہ معنی ہیں کہ جو کچھ ہمیں ان کے طرف سے ملے اسے وحی منزل کی طرح تنقید کی حد سے بالاتر سمجھ کر واجب التسلیم قرار دیا جائے۔ یہ وہ مسلک ہے جس کی قرآن اجازت نہیں دیتا۔ لہٰذا ہم اسلاف پرستی کے خلاف ہیں نہ کہ اسلاف کے احترام کے۔ احترام یہ ہے کہ ان کے سرمایۂ علمی سے تمتع کیا جائے اور ان کے حق میں دعا مانگی جائے کہ ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان (۵۹/۱۰) "اے ہمارے رب ہماری مغفرت کر اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ رخصت ہو گئے" نہ یہ کہ — خطائے بزرگاں گرفتن خطا است — طلوعِ اسلام]

اس کے بعد انھوں نے تحریر فرمایا ہے۔

"آپ کی طرف سے ایک اور قلمی جہاد کی شدید ضرورت ہے۔ یعنی اربابِ قلم کو یہ دعوت دینا کہ وہ اپنے اپنے میدان میں 'تطہیرِ فکر' کے ساتھ قلم اٹھائیں۔ یعنی 'صلاحیت سے صالحیت' کی طرف رجوع کریں تاکہ ملت کے سامنے ستھرا اور پاکیزہ ادب آئے۔ ہمارے ادب میں آج جو فحش، عریاں یا بھونڈا مذاقی کا طوفان برپا ہے، ضرورت ہے کہ اس پر سختی سے گرفت کی جائے۔ اس سلسلہ میں جو کتاب، جو رسالہ، جس حد تک بھی آپ کی نظر میں مجرم ٹھہرے، آپ اُسے نہ بخشیں۔ اور حکومت کی توجہ بھی اس طرف مبذول کراتے رہیں۔ مجرم، چور اور ڈاکو ہی نہیں ہوتے۔ ان سے زیادہ خطرناک وہ لوگ ہیں جو اپنی آوارہ قلمی سے پڑھنے والوں کے دماغ اور دل میں زہر ٹپکاتے رہتے ہیں۔ ایسا زہر جس سے قوائے عمل رفتہ رفتہ مفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں۔ دریا، حدود سے گزرا اور بستیاں تباہ ہوئیں۔ یہ بھی ایک کارِ عظیم ہے اور تعلیم سے متعلق۔ آئندہ تعلیم اور نصابِ تعلیم تو ملت کے ان نونہالوں کے لئے ہوگا جو ابھی زیرِ تعلیم ہیں یا مدارس میں آنے والے ہیں۔ مگر احتساب اور روک تھام تو اس طائفے کی بھی ہونی چاہیے جو اس وقت بادولے کتے کی طرح اِدھر اُدھر کاٹتا پھرتا ہے۔ اس طاعون پر تو فوری ہی توجہ ہونا چاہیے۔"

[ہم اس باب میں اپنے محترم بھائی سے حرف بہ حرف متفق ہیں اور اس خطرہ سے پوری طرح آگاہ۔ لیکن ایک ماہوار رسالہ کے گنے چنے صفحات کس کس چیز کو اپنے دامن میں جگہ دیں۔ انھیں کیا معلوم کہ کتنے آنسو ہیں جنھیں ہم سرِ مژگاں آجانے کے بعد بھی اپنی کوتاہیٔ دامن کی وجہ سے اذنِ چکیدن نہیں دے سکتے۔ لیکن بایں ہمہ توفیقِ ایزدی

ہم بہت جلد اس طرف بھی توجہ دیں گے۔ ہم اپنے بھائی سے جو خود نہایت سشستہ مذاق کے پیکر اور بلند پایہ شاعر ہیں، اس باب میں بھی ہم آہنگ ہیں کہ "میرا ایمان ہے کہ قرآن اور صرف قرآن ہی کے طفیل صحیح معنوں میں انسان میں حسنِ مذاق اور نفاستِ مزاج کی پرورش ہو سکتی ہے اور انسان کا مرتبہ فرشتوں سے بالا، بشرطیکہ اس آدم خاکی کی اس پر نظر ہو اور اس پر عمل۔ اس کتاب عظیم کا ایک ایک حرف مقدس ہے اور ایک ایک لفظ حکمت۔ عقل سلیم اسے تسلیم کرتی ہے اور عشق اس پر نثار" — چہ خوش گفتی! طلوعِ اسلام]

۲) محترمہ رضیہ صاحبہ لکھتی ہیں :-

" میں آپ کی توجہ ایک ایسی بات کی طرف مبذول کرتی ہوں جو واقعی نہایت افسوسناک ہے۔ آپ طلوعِ اسلام اور اپنے دیگر ذرائع سے اس کا تدارک کریں۔ آپ کے مطالعہ سے اکثر انگریز تواریخ دانوں کے اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مضامین گزرے ہوں گے۔ ایک مثال میں پیش کرتی ہوں۔ پاکستان یعنی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کی سندھ یونیورسٹی نے انٹرمیڈیٹ کے نصاب کے لئے جو تاریخ کی کتب مقرر کی ہیں ان میں ایک...... An outline History of the world By Davies بھی ہے۔ اس ملعون مصنف نے جو گندہ دہنی کا ثبوت دیا ہے اس کا نمونہ روانہ خدمت ہے۔ کمزور سے کمزور ایمان والے انسان کا خون بھی اسے دیکھ کر ابل پڑتا ہے۔ مسلمانوں کی حکومت ہو اور مسلم طالب علموں کے کورس میں ایسی کتابیں ہوں جو پیغمبر اسلام کی شان میں ایسے الفاظ استعمال کریں بہت بڑی بدقسمتی ہے۔

نیز گذارش ہے کہ کراچی میں حکومتِ پاکستان نے لڑکیوں کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ میٹرک کرنے کے بعد سوائے اس کے کہ ہم... St. Joseph's Convent میں داخل ہو جائیں اور کوئی راہ نہیں۔ وہاں دینیات اسلامی کے پڑھانے کا کوئی انتظام نہیں حالانکہ یہ مضمون یونیورسٹی کی طرف سے جبری ہے۔ باقی سب کالجوں میں مخلوط تعلیم ہے۔ امید ہے آپ طلوعِ اسلام میں اس مسئلہ پر بھی حکومت کی توجہ دلوانے کی کوشش فرمائیں گے۔"

[ہم نے اقتباسات قصداً حذف کر دیئے ہیں۔ تعجب ہے کہ علم و انصاف کی رو سے بہتر کتب کی موجودگی میں ایسی دلآزار کتاب کو بطور نصاب کیوں منتخب کیا گیا ہے۔ ہم حکومت کی توجہ مذکورہ کتاب کے صفحات ۵، ۲۳۹، ۲۴۰ کی طرف دلاتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ جلد از جلد اس قابلِ اعتراض کتاب کو خارج از نصاب کرے۔ ہم آزادانہ تنقید و تبصرہ کے خلاف نہیں لیکن دلآزاری اور دریدہ دہنی کو کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔

محترمہ رضیہ نے عورتوں کی تعلیم سے متعلق جس مشکل کا ذکر کیا ہے ہمیں امید ہے کہ حکومت اس پر بھی مناسب غور کرے گی۔ طلوعِ اسلام]